جلد ۱۶۹ ماہ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق ماہ اپریل ۲۰۰۲ء عدد ۴

فہرست مضامین

شذرات ضیاء الدین اصلاحی ۲۴۲ - ۲۴۴

مقالات

"حجۃ اللہ البالغہ" کا سنہ تصنیف پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی صاحب ۲۴۵ - ۲۵۷

پروفیسر محمد الیاس برنی ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب ۲۵۸ - ۲۷۲

سید عبدالوہاب بخاریؒ کی "تفسیر القرآن" ڈاکٹر محمد شفقت اللہ صاحب ۲۷۳ - ۲۹۹

فریدالدین گنج شکرؒ کے معاصرین جناب محمد فیروز الدین صاحب فریدی ۳۰۰ - ۳۰۵

وفیات

پروفیسر آل احمد سرور ضیاء الدین اصلاحی ۳۰۶ - ۳۱۷

مطبوعات جدیدہ ع - ص ۳۱۸ - ۳۲۰

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH U.P.

تاریخ صقلیہ حصہ اول و دوم

مرتبہ: سید ریاست علی ندوی مرحوم

حصہ اول: اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، اٹلی اور جزائر صقلیہ پر اسلامی حملوں کی ابتدا، قیام حکومت، عہد بہ عہد کا عروج و زوال اور اس کے نتیجہ میں وہاں کے مسلمانوں کی جلاوطنی کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ قیمت: ۹۰/روپے

حصہ دوم: اس میں سسلی کے عہد اسلامی کا تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت، زراعت، صنعت، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کا مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں۔

قیمت: ۸۰/روپے

مجلس ادارت

ر احمد، علی گڈھ ۲۔ مولانا سید محمد رابع ندوی، لکھنؤ

ظ الکریم معصومی، کلکتہ ۴۔ پروفیسر مختار الدین احمد، علی گڈھ

۵۔ ضیاء الدین اصلاحی (مرتب)

معارف کا زر تعاون

یں سالانہ سو ۱۰۰ روپے فی شمارہ دس ۱۰ روپے

سالانہ دو سو پچاس ۲۵۰ روپے

میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس ۲۵ پونڈ یا چالیس ڈالر

بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

ر کا پتہ: حافظ محمد یحیٰی شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ۔ کراچی

آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY ,

۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہنچے تو اس

پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے اس کے بعد رسالہ

تے وقت رسالہ کے لفافہ پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

ی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

۲ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

شذرات

تو پہلے سے عام تھا کہ مسلمان خوں ریز، سفاک اور جنگ جو ہوتے ہیں ع
اس قوم کے افسانوں سے۔ لیکن جب سے یورپ کو علم و سائنس میں برتری
ذرائع ابلاغ پر اس کا مکمل قبضہ ہو گیا ہے اس وقت اس نے اپنے زور و بالادستی
کے وسائل سے دنیا کی تمام قوموں اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے دل و
دیا ہے کہ مسلمان تشدد پسند اور دہشت گرد ہوتے ہیں، حدیث، سیرت اور
وں سے ایسے واقعات ڈھونڈ لئے گئے ہیں جن کو مسلمانوں کی بے رحمی اور جبر و
ش کیا جاتا ہے، حالانکہ ان سے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے یا تو ان میں
کاری کی جاتی ہے یا سیاق و سباق اور موقع و محل سے جدا کر کے ان کو اس شکل
کہ وہ ظلم و جور کی کہانی معلوم ہونے لگتے ہیں۔

۲۰۰ء کو امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹاگن پر ہونے والے حملے سخت قابل
و درندگی کا نمونہ ہیں لیکن امریکہ نے اپنی طاقت اور بالادستی کی بنا پر ان کو بعض
سر منڈھ دیا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اسی کے پروردہ ہیں، حالانکہ وہ
ی اطمینان بخش ثبوت نہیں پیش کر سکا ہے، اس نے اس واقعہ میں مسلمانوں کو
س نہیں کیا بلکہ اسے بہانہ بنا کر افغانستان کو تہس نہس کر ڈالا اور ابھی تک وہاں
ے قصور شہریوں پر مسلسل بمباری کر رہا ہے لیکن کس میں ہمت ہے کہ امریکہ کے
وجہ سے اس کی اس وحشیانہ دہشت گردی اور اس صدی کے سب سے بڑے
رویہ کی مذمت کرے جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں بھی نہیں ملے گی، امریکہ کو
ت گردی کا تو تنکا نظر آجاتا ہے لیکن اپنی دہشت گردی کا شہتیر بھی دکھائی نہیں دیتا
ود بدبہ کی وجہ سے اکثر ممالک بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔

ی کہنے لگے سب اہل حشر کہیں پرسشِ دادخواہاں نہیں ہے

ی حملے کے بعد یہ امر مسلمہ سمجھا جانے لگا ہے کہ ہر دہشت گردانہ کارروائی اور ہر
مسلمانوں کا ہاتھ ہوتا ہے، ہمارے ملک پر بھی مغرب کا یہی جادو چل گیا ہے اور
جماعتوں اور فرقہ پرست عناصر کو ہر تخریب و فتنہ کے لئے مسلمانوں کو مورد الزام

قرار دیتے ہیں۔

جب کوئی فتنہ زمانے میں اٹھا کرتا ہے لوگ اشاروں سے بتا دیتے ہیں تربت میری

ملک کی پارلیمنٹ پر حملہ ہوا اور گودھرا میں کارسیوکوں کی بوگی جلائی گئی، یہ بڑے شرم ناک واقعے ہیں، مجرموں کو ضرور عبرت ناک سزا دی جانی چاہئے مگر ثبوت و تحقیق کے بغیر ہی ان کے لئے کیسے مسلمانوں کی جانب انگلی اٹھادی گئی جس کے بعد نفرت و اشتعال اور انتقام کی ایسی آگ بھڑکائی گئی جس میں بے خطا و بے قصور لوگوں کی جان، مال اور املاک ابھی تک جل بھن رہی ہیں، یہ تو کرشمۂ قدرت ہے کہ اس کے مخفی ہاتھ کبھی کبھی اصل حقیقت کو آشکارا کر دیتے اور الزام اور جھوٹ کی قلعی کھول دیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ اڑیسہ میں قدرت نے اصل شرپسندوں کو بے نقاب کر دیا ورنہ پریس اور فرقہ پرستوں کا بس چلتا تو اس کا الزام بھی مسلمانوں کے سر تھوپ دیا جاتا۔

ہم مسلمانوں کو دودھ کا دھلا نہیں کہتے، یقیناً بعض ناروا اور پرتشدد واقعات میں کسی خاص سبب یا اپنی بدبختی سے وہ ملوث ہوتے ہیں جس کا خمیازہ ان کی پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے لیکن اس طرح کی حرکتیں کرنے والے وہی مسلمان ہوتے ہیں جن کے متعلق اقبال نے کہا ہے ع یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔ من حیث القوم، مسلمان اس طرح کی سنگ دلانہ اور جارحانہ حرکتوں کے مرتکب نہیں ہوتے گو ان میں اب پہلے جیسے ایمانی اوصاف، اسلامی خصوصیات اور سیرت اور کیرکٹر کی مضبوطی و پختگی نہیں ہے اور نہ وہ اسلام کے تقاضوں اور شرعی احکام کے کماحقہ پابند ہیں، اس کے باوجود ان کی اکثریت امن پسند ہے جو ظلم و تشدد، دہشت گردی اور فساد سے نفرت کرتی ہے، اور خال خال تو اس قوم میں ایسے برگزیدہ اور مقدس لوگ بھی ہیں جو اشکِ سحر گاہی سے وضو کرتے ہیں، اگر وہ پانی کی دعا مانگیں تو جل تھل ہو جائے، کیا چند نام کے مسلمانوں کی حرکتوں کی سزا ان سب لوگوں کو دی جائے گی اور گودھرا کے واقعہ کا بدلہ پورے گجرات کے بے قصور مسلمانوں سے لیا جائے گا کیا یہ انصاف ہے؟ یا ظلم و دہشت گردی، کیا اب امن و اہنسا کے پیغامبر کی سرزمین میں جنگل کا قانون اور راون کا راج چلے گا؟ بات یہیں ختم نہیں ہوتی، چند نام نہاد مسلمانوں کے رویے کی وجہ سے اسلام کو جو امن و صلح پسند مذہب ہے ظلم و تشدد، دہشت گردی اور جارحیت کی تعلیم دینے والا قرار دیا جا رہا ہے اور یہ وہ لوگ کہہ رہے ہیں جن کا نام

مظلوموں کے استحصال کی علامت بن گیا ہے اور جو اپنی دہشت گردی اور ایٹمی
قت سے خلقِ خدا کو عاجز اور امنِ عالم کو درہم برہم کئے ہوئے ہیں، آخر پریس اور
ے ان کا تصرف کب ختم ہوگا اور طاقت و اقتدار سے وہ کب محروم ہوں گے،
فینہ کب ڈوبے گا۔

م اور مسلمانوں کو دہشت پسند قرار دینے کی یہ منظم سازش اس " نئے سیاسی کلچر " کو
نے کا ایک جز ہے، اس کی کوشش آزادی اور ملک کی تقسیم کے بعد ہی شروع ہوئی
دیوں میل جول سے بنے مشترکہ کلچر اور گنگا جمنی تہذیب کو ختم اور اقلیتوں کے
تعال اور تشدد و جبر کا ئے بغیر یہ سیاسی کلچر نشو و نما نہیں پا سکتا جس کی صورت ایک
ناب شکیل الرحمن کے بقول " آج اتنی مکروہ اور بھیانک ہوگئی ہے کہ اسے دیکھ کر
دہ ہو رہی ہے، اس کی سیاہ پرچھائیں آئین ہند پر پڑنے لگی ہے، ملک اور اس کی
ں اعلا اور افضل قدریں چرمرانے لگی ہیں، ایک عجیب و غریب قومی کلچر کا تصور
ہے، جس کا تعلق تاریخی سچائی سے نہیں ہے، اس تصور نے بڑا نقصان پہنچانا شروع
ورتِ حال کا تقاضا ہے کہ ملک کے سیوکلر اور سنجیدہ لوگ آگے بڑھ کر ان عناصر کی
نہ و فساد برپا کر کے ملک کے سیاسی و معاشرتی حالات کو درہم برہم اور عدلیہ کی
ت اور ملک کے آئین، جمہوریت اور سیوکلرازم کی کوئی پروا نہیں کر رہے ہیں۔

و ممتاز ماہرِ تعلیم ڈاکٹر سلامت اللہ کا انتقال ۹۰ برس کی عمر میں ۲۳؍جنوری ۲۰۰۲ء کو
معہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں تدفین ہوئی، جامعہ سے عمر بھر ان کا گہرا تعلق رہا، وہ
(استادوں کے مدرسہ) کے معماروں اور قومی سطح کے ماہرین تعلیم میں تھے۔ رسالہ
رت سے منسلک تھے اور اس میں ان کے مضامین بھی چھپتے تھے، انہوں نے اردو اور
د کتابیں لکھیں جن میں تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر، تعلیم، فلسفہ تعلیم اور سماج،
لئے، ہم کیسے پڑھائیں، Education of Muslims in thought
Secular India can Education do it Education ر
ں، وہ عمر بھر علمی و تعلیمی خدمت میں مصروف رہے، ان کی وفات علمی و تعلیمی دنیا کا بڑا
لی ان کی مغفرت فرمائے، آمین!!۔

مقالات

"حجۃ اللہ البالغہ" کا سنہ تصنیف

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی *

فکرِ ولی اللہی کے مطالعہ و تحقیق کا ایک خلاصہ یہ ہے کہ اس کی سب سے عظیم و جدید تالیف "حجۃ اللہ البالغہ" کا سنہ تالیف قطعی اور متعین طور سے نہیں معلوم ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی (۴؍شوال ۱۱۱۴ھ/ ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء۔ ۲۹؍محرم ۱۱۷۶ھ/ ۲۰؍اگست ۱۷۶۲ء) کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ تالیف نہیں مل سکی،[۱] "حجۃ" کے جتنے مطبوعہ نسخے ملتے ہیں ان میں اس کی تالیف کے زمانے کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، غالباً تمام کی تمام مطبوعہ اشاعتیں اس مخطوطہ پر مبنی ہیں جس میں ترقیمہ نہیں ہے یا اس میں تاریخ تالیف مذکور نہیں ہے۔

اس باب خاص میں ایک اور تحقیقی خلا یہ پایا جاتا ہے کہ "حجۃ اللہ البالغہ" کا متن متعدد مخطوطات کے تقابلی مطالعہ پر مبنی نہیں ہے، جن اہل علم نے "حجۃ" کے

---

* صدر شعبہ، ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ دہلوی، ریسرچ سیل، ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ۔

لیا ہے یا اسے چھاپا ہے انہوں نے ایک دو خطی نسخوں پر ہی اکتفا کرنا
اور تدوین متن کے سلسلے میں اس کے مختلف اختلافات کی نشاندہی نہیں کی
مخطوطات میں ترقیمے نہیں تھے اور اگر تھے تو ان میں زمانۂ تالیف کا کوئی
ں کا امکان بہر حال ہے کہ اگر ''حجۃ'' کے متعدد، تمام نہ سہی، مخطوطات کا
ے مطالعہ اور اس کے متن کے اختلافات کی گہرائی سے چھان بین کی
ں میں سنۂ تالیف کا سراغ مل جاتا۔

ے سال ڈیڑھ سال قبل جب فکر ولی اللّٰہی پر تحقیقی کام کی سعادت اس
ارزانی ہوئی تو ''حجۃ'' کے باب میں اس کا تاثر تھا: ''یہ حیرت سے زیادہ
اری کی بات ہے کہ ان کی کتابوں اور رسالوں میں چند کے سوا کسی کی
مثال کے طور پر ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا ابھی تک حتمی طور سے سنہ تصنیف بھی
جاسکا، اگر چہ جے، ایم، ایس، بلجان، اطہر عباس رضوی اور غلام مصطفے
کے زمانہ تصنیف کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ زیادہ تر قیاسی
ار ہے۔'' (شاہ ولی اللہ کا فلسفہ سیرت، علی گڈھ، ۲۰۰۱، عرض اولیں
لی تالیف میں (۱۶) وعدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو
''جیسے عظیم دائرہ معارف اسلامیہ کا زمانہ تالیف متعین کرنے کی کوشش
ودہ مختصر مقالہ اسی سمت میں پہلا قدم ہے، کیوں کہ ابھی راہ کی تمام
ع دور نہیں ہوسکیں۔

ست ہمارے پاس ''حجۃ'' کی تاریخ تالیف سے متعلق دو قطعی مختلف بلکہ
جود ہیں، ایک کاوش جی این، جلبانی کی ہے جس کے مطابق شاہ ولی اللہ کی

یہ شاہکار تالیف ان کے آخری عرصہ حیات کی ہے'' انہوں نے قطعی طور سے یہ بات لکھی ہے کہ شاہ صاحب کا یہ عظیم کارنامہ ۱۱۸۳ھ/۱۷۶۹ء کے بعد ہی وجود میں آیا تھا، یعنی شاہ صاحب کی وفات سے چھ سات سال پہلے، ان کی توقیت چند قرائن وقیاسات پر مبنی ہے، اولین قرینہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے قیام مکہ مکرمہ، کے دوران ایک رات اشارہ غیبی میں ہدایت پائی کہ وہ اسلام کو اس کے صحیح پس منظر میں پیش کریں، وطن واپس آنے کے بعد شاہ صاحب اس غیبی فیض کو عملی جامہ پہنانے میں تذبذب کا شکار رہے، کیوں کہ حالات اس کے حق میں استوار نہ تھے، لیکن اس غیبی فیض کو بہر حال اثر انداز ہونا تھا، چنانچہ ان کے سب سے عزیز شاگرد محمد عاشق (پھلتی ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳) نے اس عظیم کام کو انجام دے ڈالنے پر اتنا اصرار کیا کہ شاہ صاحب کا تذبذب دور ہو گیا اور انہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھا ہی لیا، اس کام کی شروعات کی قطعی تاریخ متعین کرنی مشکل ہے، لیکن چونکہ کتاب خاصی ضخیم ہے اور بہت ہی معنی آفرین، لہٰذا اس نے تکمیل کے لئے کافی وقت لیا ہوگا، اس کی تکمیل کی ممکنہ تاریخ یا سنہ ۱۱۸۳/۱۷۶۹ کے بعد ہی کا ہے۔

اس کے اسباب بہت ہی واضح ہیں، شاہ صاحب ''حجۃ'' میں بیان کرتے ہیں کہ ایک سہ پہر انہوں نے دیکھا کہ موت ان کے بیمار بچوں میں سے ایک پر اتر رہی ہے اور وہ سچ مچ اسی رات مر گیا، جلبانی نے ''حجۃ'' اول ۶۶، کے حوالے سے حاشیہ میں شاہ صاحب کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے: ''..... ومنها ان بعض اولادی کان مریضا..... فبینما انا اصلی الظهر شاهدت موته نزل فمات فی لیلته'' اس کی بنا پر جلبانی نے یہ استنباط کیا ہے کہ لفظ ''اولاد'' جمع کا صیغہ ہے، اور اس بنا پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس وقت شاہ صاحب کی کم از کم تین

ں، جس مرنے والے فرزند/بچہ کا حوالہ ہے وہ شاہ صاحب کے فرزند
کے بطن سے تھے اور پھر ان کے دوسرے دو اولین فرزند شاہ عبد
ین تھے، جو دوسری بیوی کے بطن سے بالترتیب ۱۱۵۹/۱۷۴۶ اور
ا ہوئے تھے، لہٰذا ان کا یہ شاہ کار یقینی طور سے اس تاریخ کے بعد ہی
ف آف شاہ ولی اللہ (انگریزی) نئی دہلی ۱۹۸۰، ۳۸-۳۷)
ں توقیت میں کئی نقص ہیں: اول یہ کہ انہوں نے ''حجۃ'' کا امکانی
ھ دیا ہے جو قطعی غلط ہے، شاہ صاحب اس سے سات سال قبل
ن ممکن ہے کہ یہ سنہ ہجری کتابت کی غلطی ہو مگر ۱۷۶۹ بظاہر کتابت
، جس کے مطابق سنہ ہجری ۱۱۸۳ تھا یہ تاریخ بھی مولف ''حجۃ'' کی
۔ دوسرے یہ کہ تیسرے فرزند شاہ۔ شاہ رفیع الدین۔ کی پیدائش
ی تکمیل کی تاریخ متعین کی گئی ہے جو کافی موخر ہے، تیسری بوالعجبی
پہلی شادی ان کے ننہالی خاندان (صدیقی) میں اپنے ماموں شاہ
ادی امۃ الرحیم سے موضع پھلت ضلع مظفر نگر میں ۱۱۱۸ھ/
ان کے بطن سے شاہ صاحب کے بڑے بیٹے شیخ محمد محدث پیدا
سبہ بڈہانہ (ضلع مظفر نگر) میں ۱۲۰۸ھ/۹۴-۱۷۹۳ء میں انتقال
جنۃ '' سے تاریخ وفات ملتی ہے''۔ (نثار احمد فاروقی، مقدمہ نادر
ں اللہ دہلوی، تحقیق و ترجمہ نسیم احمد فریدی پھلت ۱۹۹۸ء، ۵۷)
س فرزند شاہ کو ان کی زندگی ہی میں مردہ قرار دیا ہے ان کی
ے بتیس سال بعد ہوئی تھی۔ مزید یہ کہ ''بعض اولادی'' سے تین

اولادوں کا مراد لینا بھی تحقیقی ستم ظریفی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس لئے جالبانی کی توقیت ''حجۃ'' بداہۃً غلط ہے۔

اس کے برعکس اطہر عباس رضوی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ شاہکار ۱۱۴۵/۱۷۳۲ اور ۱۱۵۱/۱۷۳۹ کے درمیان کسی وقت مرتب و مکمل ہوا تھا۔ انہوں نے اس کے دلائل تو نہیں دیئے لیکن ترتیب کے اشارات کئے ہیں، (شاہ ولی اللہ اینڈ ہز ٹائمس (انگریزی) کینبرا ۱۹۸۰ء، ۲۱-۲۲۰) خاکسار راقم نے بھی ان کی توقیت اپنی کتابوں میں تسلیم کر لی تھی کہ خود اس کی اپنی کوئی تحقیق اس وقت تک نہ تھی (شاہ ولی اللہ کا فلسفہ سیرت، ۲۷، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ شخصیت و حکمت کا ایک تعارف۔ علی گڈھ، ۲۰۰۱، ۱۶)

مارسیا کے ہرمینسن (Marcia K.Hermansen) نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی قسم اول کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، جو ''The conclusive Argument from God'' عنوان سے لائیڈن سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے، انہوں نے اس میں ''حجۃ'' اور بعض دوسری تصانیف شاہ کی توقیت کے سلسلے میں غلام مصطفےٰ قاسمی (التفہیمات الالٰہیہ مقدمہ عربی، غلام مصطفےٰ قاسمی، شاہ ولی اللہ دہلوی اکاڈمی، حیدرآباد، سندھ ۱۹۷۳ء، اول ۳۷-۱۵) کی تحقیقات کا حوالہ دیا ہے مگر خود کوئی محاکمہ نہیں کیا، (۴۸۹ و مابعد) ان محققین کی کاوشیں فی الحال ہمیں دستیاب نہیں لہٰذا ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تاریخ تصنیف سے متعلق ان سے بحث ممکن نہیں۔

ابھی تک فکر ولی اللہی کے ماہرین نے نہ تو شاہ صاحب کی کوئی تحریر اس باب میں پائی ہے اور نہ ان کے معاصرین یا نیم معاصر تلامذہ اور خلفاء کی۔ اس لئے یہ بات

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے قابل فخر سرمایۂ حیات کی تاریخ
ت اور حیرت ناک بن جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شاہ
دوسرے وقیع یا غیر وقیع کارناموں اور مختصر رسالوں کی تاریخ

ر شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے فارسی ترجمہ قرآن کریم ''فتح
کی تکمیل کی تاریخ عیدالاضحیٰ یعنی ۱۰/ ذوالحجہ ۱۱۵۰ھ/ ۳۱/ مارچ
فتح الرحمٰن، تاج کمپنی لاہور، ۱۹۸۶ء، ب) بلکہ صحیح کہنا یہ ہوگا
قرآن کی تسوید، تبییض اور تکمیل کی تین تین تاریخیں دی ہیں
ور سلسلۂ کا زمانہ بھی بیان کیا ہے، شاہ صاحب کے دو نعتیہ
مجموعہ'' **اطیب النغم فی مدح سید العرب و**
رسی شرح کی تالیف کی تکمیل کی، تاریخ ۲۴/ ربیع الثانی ۱۱۵۶ھ
۱۷/ جون ۱۷۴۳ء کے مطابق ہے، یہ قصیدہ بائیہ کی فارسی
جب کہ مرتب و مترجم پیر محمد کرم شاہ ازہری نے قصیدہ ہمزیہ
جمادی الاولی ۱۱۷۷ھ دی ہے، یہی تاریخ شاہ صاحب کے
ور مترجم کے اردو ترجمہ میں بھی (''این است آن چہ در ترجمہ
ان ذلك يوم الخميس احدى عشر من شهر
ھ.....'') یہ سن ہجری یقینی طور سے شاہ صاحب کا تحریر کردہ نہیں
یڑھ سال قبل ۲۹/ محرم ۱۱۷۶ھ کو (حتمی طور سے ۱۶ ماہ دس دن
ت ہو چکی تھی۔ مترجم مذکور و موصوف نے شاہ صاحب کے

قصیدہ بائیہ کی تاریخ میں بھی ایک جگہ ۱۱۵۶ھ کی جگہ ۱۱۶۵ھ لکھ دیا ہے، وہ کاتب کی غلطی بھی ہو سکتی ہے، (**اطیب النغم**، لاہور ۱۹۸۵ء، ۶۸، ۱۶۷-۱۶۷ اور ۲۲۱-۲۲۲ بالترتیب)

شاہ ولی اللہ کے اپنے قلم حقیقت رقم سے جن تصانیف کی تاریخ لکھی گئی ہے ان میں سے ایک ''ہمعات'' نامی مختصر رسالہ ہے، جو تصوف کے آغاز، ارتقاء، تاریخ اور مختلف سلاسل کے مقاصد و مباحث کے علاوہ بعض ''احسانی مباحث'' سے تعرض کرتا ہے، اس کے ترقیمہ کی عبارت ہے: '' **الحمد لله والمنة** کہ کتاب ہمعات باختتام رسید.....

وكان ذلك فی جمادی الآخرة سنة ثمان و اربعين و مائة و الف ــ.

(اکادمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی، حیدرآباد، سندھ، ۱۹۴۱ء، ۱۳۵) جس کا اردو ترجمہ محمد سرور جامعی نے یوں کیا ہے: ''ہمعات'' ۱۱۴۸ھ جمادی الآخر میں اختتام کو پہنچی (اردو ترجمہ بعنوان ''تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ'' لاہور ۱۹۹۹ء، ۲۱۲) خاکسار راقم نے اس سنہ ہجری کی سنہ عیسوی کی مطابقت میں لکھا ہے: ''مؤلفہ در جمادی الثانیہ ۱۱۴۸ھ/ اکتوبر-نومبر ۱۷۳۵ء'' (.... شخصیت و حکمت کا ایک تعارف، علی گڈھ ۲۰۰۱ء، ۱۶)

''ہمعات'' میں حضرت مؤلف نے ایک ایسا اشارہ کیا ہے جو ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے زمانہ تصنیف کے دورانیہ کو خاصہ محدود کر دیتا ہے، اور کم از کم اس کی تکمیل کا تقریباً حتمی ثبوت فراہم کرتا ہے، اس مختصر رسالہ کی ایک اہم بحث کا عنوان ہے: ''انسانیت کے چار بنیادی اخلاق'' ان کے سلسلہ میں شاہ صاحب رقمطراز ہیں کہ ''تہذیب نفس کے سلسلے میں شریعت کا مقصود دراصل یہ ہے کہ انسانوں میں یہ چار خصلتیں پیدا ہوں، اور جو چیزیں ان چار خصلتوں کے خلاف اور ان کی ضد ہیں ان کی نفی کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو انہی چار خصلتوں کو بروئے کار لانے کے لئے مبعوث فرمایا اور تمام شرائع الٰہی کا یہی مقصد ہے کہ وہ ان چار خصلتوں کی تلقین کریں.....'' (اردو

ں کے بعد شاہ صاحب نے ایک ایک کر کے ان چار خصلتوں مختصر تشریح کی
صلتیں ہیں: '' ١۔طہارت، ٢۔ اللہ کی جناب میں عجز وخضوع اور اس کی
ل کو یکسر متوجہ کر دینا، ٣۔ سماحت اور ٤۔ عدالت'' (٥٨۔١٥١)
کے بعد شاہ صاحب نے جو مختصر سا اشارہ کیا ہے وہ ایک بڑی علمی گتھی کو
۔ فرماتے ہیں '' الغرض ان امور کا مفصل بیان بڑی طوالت چاہتا ہے
ت کا شوق ہو وہ ہماری کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی طرف رجوع کرے،
قصد صرف ان چار خصلتوں کا تعارف کرانا ہے....'' (ہمعات ١٥٨)
رت ہے: '' وبالجملہ ایں سخن دراز است۔ ہر کہ ایں را بہ تفصیل خواہد باید
حجۃ اللہ البالغہ'' رجوع کند۔ مقصود ما این جا بیان نفس این خصال است
یق ایں چہار خصلت را شناسد.....'' (''ہمعات'' مرتبہ نور الحق العلوی،
اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی، حیدر آباد، سندھ ١٩٦١ء، ٩٦)
احب کے اس قطعی بیان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ''حجۃ اللہ البالغہ''
بہر حال ''ہمعات'' کی تصنیف سے قبل ہو چکی تھی، یعنی جمادی الثانیہ
۔ نومبر ١٧٣٥ء سے کافی پہلے۔ کافی پہلے اس لئے کہ شاہکار شاہ ''حجۃ
مل ومرتب ہو کر علمی حلقوں میں متداول ومقبول نہ ہو چکی ہوتی تو
ہمعات'' میں اس کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ اپنے قارئین
تے، اطہر عباس رضوی اور ان کے ہم نوا دوسرے محققین کا یہ موقف کہ
'' ١١٤٥/١٧٣٢ کے بعد مرتب ہوئی تھی، بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے۔
١١٥١/١٧٣٩ کی جو آخری حد زمانی مقرر کی تھی وہ اب قطعی طور سے
١٧٣٥ تک محدود ہو جاتی ہے۔

اس قطعی ثبوت اور متعدد دوسرے شواہد وقرائن سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حرمین شریفین سے اپنی واپسی کے کچھ دنوں بعد اپنی شاہکار تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کو لکھنا شروع کیا اور تسوید وتبییض اور ترتیب وتکمیل کے مختلف مرحلوں کے بعد اسے ''ہمعات'' کی تالیف سے قبل ١١٤٨/١٧٣٥ میں مکمل کرلیا تھا، شاہ صاحب نے حرمین شریفین کا سفر ١١٤٣/١٧٣٠ کے وسط میں اختیار کیا، وہ بقول شاہ عبدالعزیز وہاں چودہ ماہ اقامت پذیر رہے اور حدیث کی تعلیم حاصل کرتے رہے، آمد ورفت کے سفر میں تقریباً ایک سال سے زیادہ کی مدت لگی، اور بقول خود ١٤ر رجب ١١٤٥ کو بروز جمعہ وطن مالوف واپس پہنچے (برکاتی، ١٢۔١١ نے بحوالہ سید ظہیر الدین احمد (تاویل الاحادیث ٨٧) لکھا ہے کہ '' شاہ صاحب ٨ ربیع الثانی ١١٤٣ھ کو روانہ ہوئے تھے اور ٩ر رجب ١١٤٥ھ کو واپس ہوئے''۔'' ..... سات سات ماہ آمد ورفت میں گذرے''، انفاس العارفین، اردو ترجمہ محمد فاروق قادری، لاہور، ١٩٩٨ء، ٤٠٦ میں خود شاہ صاحب نے صراحت کی ہے کہ وہ ١٤ر رجب کو وطن پہنچے تھے)

وطن واپسی کے بعد کچھ دن ان کو سوا دو سالہ پر مشقت سفر کی تھکن اتارنے میں لگے ہوں گے اور اپنے مبارک سفر کے فیوض وبرکات اور حادثات وواقعات بیان کرنے میں یہ عرصہ گذرا ہوگا، اس دوران بعض مختصر رسائل کی تالیف کا بھی ڈول ڈالا ہوگا کہ ان میں زیادہ مدت درکار نہیں تھی، پھر اس ہچکچاہٹ اور تذبذب پر قابو پانے میں کچھ وقت لگا ہوگا جس کا اوپر حوالہ آچکا ہے کہ شاہ صاحب نے خانۂ کعبہ کی مجاورت میں اسلام کو اس کے صحیح علمی اور فکری تناظر میں پیش کرنے کے سلسلے میں ایک اشارۂ غیبی اور مشاہدۂ ربانی وصول کیا تھا، مگر مختلف اسباب ووجوہ سے اس کو بروئے کار لانے میں تامل اور پس وپیش کا شکار تھے، قرائن وشواہد یہ بتاتے ہیں کہ شاہ صاحب نے

ر میں یا زیادہ سے زیادہ ۱۱۴۶/۱۷۳۳ کے اوائل میں ''حجۃ اللہ
ع کردی تھی، اور ڈھائی تین سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۱۴۸/
ے مکمل ہی نہیں مقبول عوام وخواص بنا دیا تھا۔

کے سفر حرمین کے معا بعد بلکہ دو تین سال کے اندر ''حجۃ اللہ
نے کے بعض اور قرائن اور شواہد ملتے ہیں، ان میں سے ایک یہ
مقامات۔ مکہ و مدینہ۔ میں شاہ صاحب کو حدیث نبوی سے اتنا
رے علوم وفنون اگر یکسر فراموش نہیں ہو گئے تھے تو فوری توجہ
تھے، شاہ صاحب کا اپنی خود نوشت میں بھی اور اپنے استاذ
ن ابراہیم کردی مدنی (م ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء) کے خاکہ میں اس کا
ے، اور ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز کے بیان میں بھی۔

بت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ئے وداع نزدیک شیخ ابوطاہر رفت ایں بیت برخواند

یق کنت اعرفه   الا طریقا یو دینی لربعکم

ں بکا بر شیخ غالب آمد وبغایت مشتاقانہ شد...'' (انسان العین/
ں) ۱۹۲ بحوالہ برکاتی ۱۱، جنہوں نے عربی شعر کا دوسرا مصرعہ صحیح
ی 'الا اربعکم '' ہے) یعنی جس روز میں (شاہ ولی اللہ) وطن
ی ابوطاہر کی خدمت میں الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوا تو بے
یہ شعر آ گیا.... (میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستہ
ے راستے بھول گیا) یہ شعر سنتے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا

اور بہت متاثر ہوئے.....'' (انفاس العارفین اردو، ۴۰۰)

فرزند شاہ شیخ عبدالعزیز دہلوی نے فرمودۂ والد ماجد کی یہ تعبیر وتشریح کی ہے:

''پدر من وقت رخصت از مدینہ استاد خود عرض کرد او خوش شد، کہ ہر چہ خواندہ بودم فراموش کردم الا علم دیں یعنی حدیث ۹۳ (میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت کے وقت اپنے استاد سے عرض کیا جس سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے علم دین یعنی حدیث کے علاوہ جو کچھ پڑھا تھا اسے بھلا دیا) (برکاتی ۱۱)

ملفوظات عزیزی، حیات ولی القول الجلی اور بعض دوسرے معاصر و نیم معاصر اور متاخر مآخذ کے متعدد بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی سفر حرمین کے بعد صرف منتہی طلبا کو تعلیم و تربیت دیتے تھے اور باقی وقت تالیف وتصنیف پر صرف فرماتے تھے، تعلیم حدیث شریف کی اعلی کتابوں کی اور تربیت و تزکیہ مختلف سلاسل وطرق تصوف میں اسی طرح تالیف وتصنیف میں زیادہ زور حدیث نبوی علی صاحبها الصلوٰة والسلام پر رہا، بالخصوص اولین عہد میں۔ ملفوظات عزیزی میں ہے ''حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند، طالب فن بادے می سپردند وخود مشغول معارف گوئی ونویسی می بودند وحدیث می خوانیدند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند... (حضرت والد ماجد نے ہر ایک فن کے لئے ایک شخص کو تیار کر دیا تھا اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے (فاضل کے) سپرد کر دیتے تھے اور حقایق ومعارف بیان اور تحریر کرنے میں مشغول رہتے تھے، مراقبہ کے بعد جو کچھ کشف ہوتا اس کو لکھ لیتے تھے..... برکاتی ۱۲۔)

اس کی واقعاتی شہادتوں سے بھی تصدیق ہوتی ہے، مکہ و مدینہ سے واپسی کے معاً بعد شاہ صاحب نے ایک دو رسالوں کے سوا تمام رسائل وکتب حدیث نبوی سے متعلق لکھیں، ان میں: ۱۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین

النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر (عربی) ۳۔
ت من حدیث النبی (عربی) ۴۔ اربعون حدیثا.... (عربی)
اد الی مہمات علم الاسناد (عربی) ۶۔ شرح تراجم ابواب
خاری (عربی) (۷) فیوض الحرمین (عربی) اور (۸) حجۃ
(عربی) شامل اور ممتاز ہیں۔ ان سب کا تعلق حدیث نبوی سے ہی ہے،
کے باب میں شاید یہ کہا جائے کہ اس کا تعلق مبشرات واکتشافات سے
ب کو روضہ نبوی پر مراقبہ کے دوران دربار رسول اکرم ﷺ سے عطا
بنا پر وہ بھی حدیث کے ضمن میں آتے ہیں اور اس کو استثنا سمجھا جا سکتا
ں سب سے اہم بات یہ ہے کہ شاہ صاحب نے یہ تمام تالیفات عربی
ں، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حرمین سے واپسی کے بعد ان پر عربی
تھا، نیز ان کے مضمون حدیث نبوی کا تقاضا بھی اسی زبان نبوی کا تھا۔
اللہ البالغہ'' بھی بنیادی طور سے حدیث کی کتاب ہے اگرچہ اس کو
ین وشریعت'' کا قاموس کہا اور سمجھا جانے لگا ہے۔ ماہرینِ فکر ولی
وضوع فنِ حدیث ہی قرار دیا ہے، محمد متین ہاشمی رقمطراز ہیں: ''علم
جلیلہ کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کا یہ کارنامہ بھی کم اہم نہیں کہ
ی کی حکمتیں بھی بیان فرمادی ہیں، جو شخص ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا مطالعہ
ترت شاہ صاحب کی اس خدمت کا اعتراف کرنا پڑے گا''....
مہ، لاہور ۱۹۹۹ء مقدمہ ۱۸) نثار احمد فاروقی نے اسے فقہ الحدیث کی
(مقدمہ نادر مکتوبات، ۸۱) ''حجۃ اللہ البالغہ'' پر لکھنے والے بہت سے
س کی جا سکتی ہیں لیکن ان سے طولِ بیان کا خطرہ ہے۔
ل بیان اور تشریح فن خود حضرت مولف کی تحریر میں ملتی ہے جو

ناقابلِ تردید حقیقت ہے اور وہی بعد کے اہلِ قلم کی آراء کی بنیاد بھی بنی ہے۔ شاہ صاحب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کو ''اسرار حدیث'' کی کتاب سمجھا کرتے تھے، چنانچہ ''السر المکتوم'' میں ان کی ایک تحریر ہے: ''**ومن اعظم منن اللہ تعالی علی ھذا العبد ان وفقه لتخريج اسرار الحديث اجمالا و تفصيلا فدونها فی كتاب سماه حجة الله البالغه** ......'' (اس بندہ پر اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے بندہ کو اسرار حدیث کی اجمالی اور تفصیلی تخریج کی توفیق بخشی اور اس کو ایک کتاب میں مدون کردیا جس کا نام ''حجۃ اللہ البالغہ'' رکھا.... (جلبانی، ۳۹) خود ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے مفصل و مدلل مقدمہ میں شاہ صاحب نے اسے ''شرح اسرار الاحادیث'' کی کتاب قرار دیا ہے، بالخصوص اس کی قسم دوم کو (مکتبہ سلفیہ لاہور غیر مورخہ ۱/۱۱) اس کی مزید تصدیق بلکہ زیادہ معتبر شہادت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول کے خاتمہ پر فراہم کی ہے جہاں انہوں نے کتاب مستطاب کا عنوان کامل ''حجۃ اللہ البالغہ فی علم اسرار الحدیث'' لکھا ہے (۱/۱۶۲)۔

ان تمام داخلی وخارجی شواہد، علمی وتحقیقی قرائن اور شاہ صاحب کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی شاہکار تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' سفر حرمین کے مابعد کی کتاب ہے جس کی تالیف [illegible] کے اواخر یا اگلے برس کے اوائل میں شروع ہوئی اور ۱۱۴۸/۱۷۳۵ء کے وسط سے پہلے پہلے وہ مکمل ومرتب ہوکر متداول ومقبول عام وخاص ہوئی گویا کہ اس کی تالیف وتکمیل میں تین سال (۳۵-۱۷۳۲ء) کا عرصہ لگا۔ اس کا بہرحال امکان ہے کہ مطالعہ وتحقیق سے ''حجۃ'' کی تالیف کے زمانے کے باب میں مزید شواہد ملیں مگر ان سے غالباً کوئی جوہری فرق نہیں پڑے گا، چند مزید تفصیلات وجزئیات کا فرق پڑسکتا ہے۔

پروفیسر محمد الیاس برنی

از ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی ٭

(۳)

...گذاشتیں | برنی صاحب اپنے زمانے کے عظیم شخص تھے، لیکن عظیم اشخاص
...سے مبرا نہیں ہوتے۔ یہ لازمہ بشریت ہے۔ برنی صاحب سے بھی بعض
...وئی ہیں مثلاً "تحفۂ محمدی" میں درود تاج باترجمہ شامل ہے۔ اس میں بعض
...اعتراض ہیں اور وہ صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہیں اور یہ درود شریف
...بوں میں منقول نہیں ہے۔ اس کے بجائے اگر وہ اپنا انتخابی درود اس میں
...تو بہتر ہوتا۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ اگر معمول بہا عبادات
...ب سے زیادہ کسی عمل کا اجر و ثواب بتایا جائے تو یہ بات اس کے جعلی اور
...نے کی نشانی ہے۔

...نیاز کے مسئلے میں ان کی یہ رائے درست ہے" یوں تو ایصال ثواب کے
...و تاریخ اور کوئی طور طریقہ معین نہیں" تاہم ہر کام کا ایک موقع اور
...ہے۔ اگر اس کو لازم نہ سمجھا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ باقی نہیں رہتا۔

٭ ...ص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔

لیکن علاوہ سب کچھ کرتے تھے جو عام طور پر رائج ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"۱۲ محرم کو ہلیم (حلیم) پر سید الشہدا کی فاتحہ ہوئی غرض محرم شریف کی فاتحہ جو اپنا معمول ہے مدینہ منورہ میں بخیر و خوبی انجام پائی"[1]

ان کی مجموعی حسنات کے مقابلہ میں یہ فرد گذاشتیں ایسی ہیں جن کا وزن زیادہ نہیں۔

ملازمت سے سبک دوشی | برنی صاحب جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں مختلف عہدوں پر فائز رہے دائرۃ المعارف کے ناظم بھی رہے اور آخر کے دو برسوں میں جامعہ عثمانیہ میں رجسٹرار ہوئے[2] اور اکتوبر ۱۹۳۸ء میں جامعہ عثمانیہ سے سبک دوش ہوئے[3] جس کے بعد ان کی زندگی کا تیسرا دور پورا ہوا۔ برنی صاحب کی زندگی کا زیادہ تر زمانہ حیدرآباد میں گزرا، وہیں کوٹھی بنوائی، حیدرآباد میں لڑکیوں کی شادیاں کیں، کتابیں لکھیں اور ۱۹۱۷ء سے ۱۹۵۸ء تک تصنیف و تالیف کا کام انجام دیا۔

وفات | اگست ۱۹۵۷ء میں اپنی کوٹھی بیت السلام سیف آباد میں جو ایک خوشنما پہاڑی پر واقع ہے برنی نامہ لکھا، پھر دسمبر ۱۹۵۸ء کے آخر میں عزیزوں سے ملنے بلند شہر آئے۔ تقریباً ۸۹ سال کے تھے کہ ۲۵ جنوری ۱۹۵۹ء کو حرکت قلب بند ہوئی اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قاضی کے قبرستان میں جہاں ان کے باپ دادا دفن ہیں، وہیں ان کی قبر ہے۔

تدفین کے وقت جب سینہ پر کافور ملا گیا تو وہ سمٹ کر لا الہ الا اللہ[1] محمد رسول اللہ کی صورت اختیار کر گیا تھا جسے دیکھ کر ناظرین حیران و ششدر رہ گئے۔ یہ ان بزرگوں میں سے تھے جن پر یہ فقرہ صادق آتا ہے:

---

[1] صراط الحمید ج ۲ ص ۱۵۰ و ۲۰-۲۶ [2] برنی نامہ ص ۲ [3] ایضاً۔

دنیا خورد و عقبیٰ برد دنیا میں مزے اڑائے اور آخرت میں بھی کامیاب رہے

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے

یہ واقعہ مجھ سے ڈاکٹر فاروق مصطفےٰ صاحب نے بیان کیا کہ یہ میرے والد صاحب

یدہ واقعہ ہے۔

...ا برنی صاحب نے عمر بھر پڑھایا، ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ

تعلقات کم ہی شاگردوں سے رہے، جو شاگرد ان سے رہنمائی حاصل کرتے

ن کی تعلیم و تربیت کی سرپرستی و نگرانی ان کے سپرد رہی ان سے تعلقات قائم

انچہ شہزادہ نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد کے دونوں شہزادے مکرم

م جاہ شاگرد رہے اور یہ ان کی تعلیم و تربیت میں شریک رہے وہ جب ولایت

ں کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ملاقات کرتے تھے۔[1]

تالیف اور ترجمے | برنی صاحب ایک اچھے مصنف و مترجم بھی تھے،

م مختصر تعارف کے ساتھ آگے آئے گا۔ وہ تصنیف و ترجمے میں تین باتوں

د پر پابندی کرتے تھے جس کی بنا پر ان کی کتابیں بہت مقبول ہوئیں۔

است زبان۔ ۲۔ صفائی بیان ۳۔ دلچسپی مضامین۔[2]

یں واقعی بڑی اہم ہیں لیکن ان کے لئے صحت و استناد کو نہیں قربان کیا جاسکتا۔

ناسی | برنی صاحب کا ایک خاص وصف شعر فہمی اور سخن شناسی بھی ہے

ے انتخابات ان کی وسعت نظر اور سخن شناسی کا ثبوت ہیں۔ وہ خود بھی

تھے۔ اس کا اور منتخبات کا ذکر آگے تصانیف میں آئے گا۔

---

[1] [2] علم المعیشت ص ۶۸۔

تصانیف وتراجم | ذیل میں برنی صاحب کی تصانیف اور ترجموں کے نام مع تعارف پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کی تصانیف کے ایک سلسلے کا نام سلسلہ دعوت صدق تھا۔

۱۔ اسرار حق : آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور ارشادات صوفیہ کا ایک جامع و مربوط انتخاب ہے جن کے مقابل یورپ کے جدید سائنس اور فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لب لباب دیا گیا ہے۔ اس سے اسلام کی حقانیت خود بخود ظاہر و نمایاں ہوجاتی ہے، اس کا پہلا ایڈیشن محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں چار سو صفحات میں شائع کیا تھا۔

۲۔ تسہیل الترتیل : اس میں قرأت کی ضرورت و اہمیت، اس کے اصول وطریق، اس کے نکات و اشارات خاص ترتیب سے نہایت سہل اور عام فہم پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں، جن سے پڑھنے میں غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا، اصول قرأت سے واقف ہونے کے بعد تلاوت میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے اور رمز حق کا راز کھلتا ہے۔ اس کا دوسرا اڈیشن ۱۳۶۱ھ اور تیسرا ۱۳۶۲ھ میں شائع ہوا۔

۳۔ تحفۂ محمدی : یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے، ہر حصہ میں درود تاج با ترجمہ، ایک عربی سلام اور چالیس نعتیں شامل ہیں، گویا چار حصوں میں جملہ (۱۶۰) نعتیں درج ہیں، یہ نعتیں قدیم وجدید (۶۰) مشہور و مقبول شاعروں کے کلام سے انتخاب کی گئی ہیں۔ چوتھے حصے میں (۲۴) فارسی نعتیں بھی شامل ہیں۔ تاج کمپنی کراچی نے اس کو بذریعہ بلاک طبع کرکے دیدہ زیب شائع کیا ہے۔

۴۔ مشکوٰۃ الصلوات : صلوٰۃ وسلام، اسلامی معارف اور عربی ادب کا بہترین سرمایہ ہے گویا "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" کی الہامی تفسیر ہے۔ ان کے مطالعہ سے دل اثر

وسلّم کی حقیقی عظمت و محبت دل میں پیدا ہوتی ہے ۔ان کے ورد سے نسبت
ضان ہوتا ہے اور دین کی نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے، غالباً اب تک صلوٰۃ
کوئی ایسا مختصر و جامع ذخیرہ شائع نہیں ہوا، اس کا تیسرا ایڈیشن تاج کمپنی
یر اہتمام شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے۔ مصنف کے ایک بیان سے معلوم
انہوں نے اس کے دو سو نسخے مدینہ منورہ میں اور تین سو مکہ معظمہ میں تقسیم
له

معروضہ : یہ برنی صاحب کا شعری مجموعہ ہے، وہ الہ آباد یونیورسٹی میں
ے جاتے تو میر اکبر حسین صاحب الہ آبادی سے ملاقات کے لئے بھی جاتے، اپنا
م ان ہی کے اصرار سے شائع کیا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا[۲] اس میں حمد،
بت و معرفت کی نظمیں سو سے زیادہ شامل ہیں۔ تاج کمپنی کراچی نے اس کا
تن آرٹ پیپر پر بذریعہ بلاک دیدہ زیب طبع کر کے مجلد شائع کیا ہے، جو
ں ہوا ہے۔ پھر ۴ مزید نظمیں ضمیمہ اول کے طور پر شامل ہیں۔

قادیانی مذہب : بار اول ۱۹۵۲ء۔ بار دوم شمس الاسلام پریس حیدر آباد
۱۲ ھ میں صفحات ۲۴۴ پر شائع کی گئی تھی۔ اس میں قادیانیوں کے عقائد و اعمال
خود قادیانی کتابوں سے پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب قادیانی تحریک کی قاموس مانی
چنانچہ پانچواں ایڈیشن (حجم بارہ سو صفحات تقطیع کلاں) مدت سے نایاب ہے
ن اضافہ مضامین کے ساتھ شائع ہوا۔ محمد اشرف نے لاہور سے شائع کیا تھا۔
قادیانی قول و فعل : حصہ اول پہلا ایڈیشن نایاب ہے اور حصہ دوم ۱۹۵۸ء

یدج ۲ ص ۳۲؛ و ص ۱۰۳ [۲] برنی نامہ ص ۲۲۔

میں شائع کیا گیا تھا۔

۸۔ صراط الحمید : جلد اول، عراق، شام، فلسطین و حجاز کے مقدس مقامات کے گوناگوں چشم دید حالات، نہایت دلچسپ و مفید معلومات اور سیر و سفر کی اس میں تفصیلی داستان مذکور ہے، مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے مشاہدات، ایمانی احساسات بارگاہ اقدس کے انوار و برکات، فیوض و انعامات اور فریضہ حج کے احکام و مسائل طور و طریق اور ادعیہ و صلوٰت کا بیان ہے۔

اس سفر نامہ میں جا بجا قرآنی معارف، ایمانی نکات، وہبی واردات، روابط قلبی کے نازک اشارات وغیرہ جن سے ایمان تازہ ہوتا ہے، دل کو عقیدت و محبت کا مزہ ملتا ہے عبارت کی لطافت اور معاصرین کے متعلق نادر معلومات اس پر مستزاد ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سفر نامہ برنی صاحب کی دلچسپ آپ بیتی ہے اس کا احساس خود ان کو بھی تھا چنانچہ ج ۱ ص ۳۰۳ میں رقم طراز ہیں :

• بلا کم و کاست آپ بیتی لکھ دی اور آپ بیتی نہ لکھتا تو پھر کیا لکھتا، لکھنا الحاصل تھا کچھ بھی نہ لکھتا، یہ توقع نہیں اور ممکن بھی نہیں کہ سب ناظرین ہم خیال ہوں ہم مذاق ہوں، ہم مشرب ہوں، ہم عقیدہ ہوں، تھوڑا بہت فرق رہنا ضرور ہے تاہم خدا کے فضل سے امید ہے کہ اپنی سرگزشت افراط و تفریط سے محفوظ ہے، رہی کوئی لغزش تو میں سراپا تقصیر ہوں، معصوم نہیں ہوں، انابت و مغفرت ہی کا اپنا سہارا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔

صراط الحمید کا پہلا ایڈیشن ۱۳۴۶ھ میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۳۵۰ھ میں مطبع برقی اعظم جاہی حیدر آباد دکن سے شائع کیا گیا تھا۔

ـ صراط الحمید جلد دوم : برنی صاحب نے اس کا تعارف یوں کرایا ہے:
۱۳۵۱ھ میں دوسری مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، حرمین شریفین
حاضری نصیب ہوئی تو دوسرا سفرنامہ تحریر میں آیا جو صراط الحمید جلد دوم
شائع ہوا۔

یہ سفرنامہ پہلے سفرنامے سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے عنوانات جدا،
ات جدا۔ اس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ کے احوال بالخصوص اور حجاز کے معاملات
موم تفصیل سے درج ہیں، ضمناً بہت سے واقعات بیان میں آگئے ہیں جو کافی
پ ہیں، ان میں بعض خاص طور سے اہم ہیں اور نادر ہیں، غرض کہ صراط الحمید
دوم کا بھی خاص رنگ ہے۔ جلد اول کے بعد جلد دوم پڑھنے سے لطف دوبالا
آتا ہے، جلد دوم میں حرمین شریفین کے فوٹو بھی شامل ہیں۔"

صاحب نے یہ سفرنامہ دوران سفر قلم بند کیا تھا، فرماتے ہیں:
ماہ اور چند یوم جو مدینہ منورہ میں حاضری رہی تو فرصت کے اوقات میں
امہ لکھتا رہا اور بیشتر حصہ وہیں تحریر میں آیا، صرف آخری فصل جس میں واپسی
ہے البتہ باقی رہ گئی تھی کہ وطن پہنچ کر لکھوں گا۔ توقع تھی کہ واپسی کے بعد ہی
امہ جلد شائع ہو جائے گا۔ لیکن عجیب اتفاق کہ سات سال گزر گئے اور طباعت
ت نہ آسکی، مسودہ یونہی پڑا رہا، بلکہ ایک مرتبہ تو شبہ ہوا کہ گم ہو گیا، بلاے
ش کیا تو وقت پر مل گیا۔

وجہ تاخیر یہ کہ واپسی کے بعد ہی گوناگوں مصروفیتوں کا ہجوم ہو گیا، یہ کام،
م، علمی بھی، انتظامی بھی، خانگی بھی، سرکاری بھی، پھر اسی زمانے میں قادیانیوں سے

معرکے ہوئے جن کی تفصیلات ہماری کتاب "قادیانی مذہب" اور "قادیانی قول و فعل" میں درج ہیں، اپنی تو اکثر یہی حالت رہی اور رہتی ہے، علمی منصوبوں میں کتنے کام ابھی شروع نہ ہو سکے، کتنے کام برسوں سے ادھورے پڑے ان میں جو بہت خاص ہیں ان کا اظہار و اعلان بھی قبل از وقت مناسب نہیں۔ تاہم جو کام تکمیل پا چکے خدا کا شکر ہے پچیس کتابیں جو شائع ہو چکی ہیں یہ اسی کا فضل ہے۔" (ج ۲۔ ص ۶ و ۷)

آگے لکھتے ہیں:

"صراط الحمید جلد اول میں دل کھل کھیلا، جب مچلا بول اٹھا ؎

کہہ گزرتا ہوں پتے کی بے خودی کے جوش میں   ہوش میں ہوتا نہیں ہوتا ہوں جب میں ہوش میں

پھر بھی ضبط کی تاکید رہی۔ احتیاط کا اہتمام رہا۔ جلد دوم میں بھی دل کو کہیں کہیں موقع ملا۔ تاہم دماغ کا دور دورہ رہا کہ توازن لازم ہے ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل   لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

مگر سچ پوچھئے تو دھن بڑی چیز ہے۔ زندگی کی جان ہے سب دھنوں میں وہی دھن ؎

محمد از تو می خواہم خدا را   خدا از تو خواہم مصطفیٰ را

وہی توحید توحید ہے جو رسالت کے وسیلے سے نصیب ہو، رسول اللہ کو مانے تو اللہ کو جانے۔ اللہ تو سبحان اللہ۔ رسول اللہؐ کی بھی کیا انوکھی شان ہے، صلوا علیہ وسلموا تسلیما ؎

ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمد   ما نرگسیم حیراں دیدار ما محمد
قمری بسرو نازد بلبل بگل نزید   ما عاشقیم بے دل دلدار ما محمد

از خویشتن ندانم جز ایں قدر کہ دانم
با قطرہ ایم بحر ز خاد ما محمدؐ
(صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ کتاب پہلی بار ۱۳۵۸ھ میں مطبع برقی اعظم جاہی حیدرآباد سے شائع کی گئی تھی۔
۱۰۔ برنی نامہ : صراط الحمید جلد اول میں چار درویش کی سرگزشت میں ۱۹۱۷
۱۹ء تک حیدرآباد میں ۲۳ رسال میں جو حالات پیش آئے تھے ان کا بیان ہے
نامہ میں اس کے بعد سے ۱۹۵۷ء تک سترہ برس کے قابل ذکر حالات و معاملات
لیا گیا ہے۔ چنانچہ برنی صاحب لکھتے ہیں:

میری خوش نصیبی یہ کہ حیدرآباد پہنچا، یہاں کے بزرگوں کا کیا کہنا ماشاءاللہ حقائق
معارف کے چمن کھلے ہوئے ہیں البتہ ع ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است "۔

نی صاحب کے اس زمانہ میں جن دانشور، اہل علم و اہل قلم، صوفیہ اور عہدہ دارو ں
ت رہے انہیں نام بنام بتایا ہے، فرمانروائے دکن میر عثمان خاں سے موصوف
مراسم تھے، کنگ کوٹھی میں آنا جانا ان کا معمول تھا[۲] اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

۱۹۱ء سے ۱۹۵۷ء تک چالیس برس حیدرآباد میں گزارے، اس مدت میں تصنیف
یف اور ترجمہ کا سلسلہ بھی جاری تھا، چنانچہ چھوٹی بڑی اردو، فارسی، عربی اور انگریزی
چالیس کے قریب کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور کئی منصوبے تکمیل طلب باقی تھے"[۳]۔

علم المعیشت : اردو میں اکنامکس کے موضوع پر سب سے پہلی نہایت مستند
ب ہے، مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو دلچسپ اور سلیس پیرایہ میں

یدج ۲ ص ۹ و ۱۰ [۲] برنی نامہ ص۵ [۳] ایضاً ص۲۳ [۴] ایضاً ص۲۶۔

بیان کیا ہے، اس کے مطالعہ سے نئے نئے مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور طلبہ واستاد سب اس کو شوق سے پڑھتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

برنی صاحب نے کتاب علم المعیشت مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی فرمائش و ہمت افزائی پر لکھنی شروع کی تھی[۱] یہ وہ زمانہ تھا جب کہ موصوف کی ایم اے اور ایل ایل بی کی تعلیم جاری تھی[۲] اور وہ علی گڑھ کالج میں بی اے کے طلبہ کو معاشیات بھی پڑھاتے تھے اور ان کا کاروان عمر ابھی چھبیسویں منزل طے کر رہا تھا، یہ اردو میں سات سو صفحات سے زیادہ کی کتاب پہلی بار ۱۹۱۷ء میں انجمن ترقی اردو نے شائع کی تھی۔ برنی صاحب نے اس کی تمہید علی گڑھ کالج میں لکھی تھی۔

اس کتاب کے متعلق ایک بالغ نظر، ہوش مند و دانش ور عالم مولانا عبیداللہ سندھی المتوفی ۱۹۴۴ء کی رائے یہ ہے:

"یورپ میں میری سیاحت کے لئے مولوی الیاس صاحب برنی کی "علم المعیشت" بھی ایک محسن کتاب ہے۔ اگر یہ کتاب مجھے نہ ملتی تو میں یورپی اقتصادی پروگرام کو سمجھنے کے قابل نہ ہوتا"[۳]۔

یہ اس صاحب علم شخص کی رائے ہے جس نے اس فن کی تحصیل کسی کالج یا یونیورسٹی میں نہیں کی تھی۔ صرف اس کتاب کے مطالعہ سے ایسی بصیرت حاصل کی تھی کہ پورے یورپ کی علم المعیشت کو بخوبی سمجھ گئے تھے۔ موصوف نے اسے اپنی محسن کتابوں میں شمار کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ المتوفی ۱۹۳۸ء جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم اور دنیا کے نامور دانشوروں میں سے ہیں وہ اس کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

---

[۱] صراط الحمید ج ۱ ص۲۴۳ [۲] ایضاً [۳] مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، مطبوعہ لکھنؤ ص۲۵۔

"آپ کی کتاب "علم المعیشت" اردو زبان پر احسان عظیم ہے اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل۔"[1]

کتاب کے خاتمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے کتنا عشق تھا اور ان کا ایمان کس قدر راسخ تھا تحریر فرماتے ہیں:

"علم المعیشت" کا بیان ختم ہوتا ہے اب صرف آخری نکتہ جتانا باقی ہے اگر کل پہلوؤں پر غور کر کے بنی نوع انسان اپنی زندگی کے واسطے بہترین معاشی اصول دریافت کرنا چاہے تو اس کی ہدایت کے واسطے اللہ جل شانہ نے دریائے حکمت کو کوزہ میں بند کر دیا ہے، قرآن پاک میں معاشی زندگی کے متعلق بہت سی ہدایتیں موجود ہیں اور صدہا سال کا تجربہ بھی آج انہی ہدایات کا موید نظر آتا ہے۔ ہم صرف ایک آیت شریفہ پر اکتفا کرتے ہیں وھو ھذا۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ (اعراف، ۳۱:)	اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو، اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے۔

اس کتاب کے سرورق کی پیشانی پر یہ آیت شریفہ:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ ۱۲۴)	اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کی ملنی ہے گذران تنگی کی۔

دوبارہ یہ کتاب باہتمام محمد مقتدیٰ شروانی مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء میں شائع کی گئی تھی۔ تیسرا ایڈیشن ۸۰۰ صفحات پر مشتمل انجمن ترقی

[1] یہ فہرست صراط الحمید جلد دوم کے آخر میں شایع کی گئی ہے۔

اردو دہلی سے نکلا ہے۔

۱۲۔ اصول معاشیات: یہ کتاب نصابی ضرورت کے تحت مرتب کی گئی ہے اس لئے کسی قدر دقیق اور مشکل مباحث پر مشتمل ہے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے شائع کی تھی۔ صفحات ۶۰۰ ہیں، خوشنما جلد اور تقطیع کلاں ہے۔

۱۳۔ معیشت الہند: ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے لئے از حد ضروری ہے، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی جامع و مستند کتاب دارالترجمہ جامعہ حیدرآباد سے شائع کی گئی تھی۔ ۸۵۰ صفحات، تقطیع کلاں اور جلد خوش نما ہے۔ ۱۳۴۳ھ میں دوسری بار شائع کی گئی تھی۔

۱۴۔ مقدمۃ المعاشیات: یہ مورلینڈ کی انگریزی کتاب "انٹروڈکشن ٹو اکنامکس" کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے جس میں معاشیات کے ابتدائی اصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں، تقطیع کلاں، ۳۰۰ صفحات ہیں، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے شائع کی تھی۔

برنی صاحب کا ایک سلسلہ تصانیف منتخبات نظم اردو پر مشتمل ہے۔ اردو شاعری میں غزلیات کا وافر ذخیرہ ہونے کی بنا پر عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی داستان ہے، مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو میں ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں لیکن وہ نظروں سے اوجھل تھیں۔ برنی صاحب کے اس انتخاب سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ اردو کا دامن اس سلسلہ میں کتنا وسیع ہے۔

...ن ملت' جذبات فطرت اور مناظر قدرت کے نام سے قدیم و جدید اردو شعرار کی نظموں
...فید اور جامع انتخاب ہے جو بارہ حصوں پر مشتمل ہے' اس میں اردو کے تقریباً دو سو
...دید نامور شعرار کا بہترین کلام عجیب و غریب ترتیب کے ساتھ آگیا ہے۔ بڑے بڑے
...نقاد سخن نے اس کی داد دی ہے اور یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا اس سے واقعتاً لائق
...ردو ادب پر وسیع نظر اور سخن فہمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۹ء سے بتدریج
...رہا اور ۱۹۲۴ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔

...تا ۱۸: اس کا پہلا سیٹ معارف ملت چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

...تا ۲۲: دوسرا سیٹ جذبات فطرت کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کی جلد اول
...ی کے قافلہ سالار میر تقی میر و رفیع سودا کے کلام کا انتخاب ہے۔
...د دوم۔ مرزا غالب' ذوق' ظفر' حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب ہے۔
...سوم۔ تقریباً بیس قدیم و مستند اور باکمال شعرار کے کلام کا انتخاب ہے۔
...چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب ہے۔

...تا ۲۶: تیسرا سیٹ۔ مناظر قدرت: جلد اول متعلق اوقات، صبح و شام'
...دھوپ' چاندنی' موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں
...سے عکس فگن ہیں' ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ یہ جلد قدرت کی
...ں کا بہترین مرقع ہے۔

...د دوم (کائنات اور اس کی اشیا)، اس میں آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل' میدان'
...ت' باغات' شہر اور عمارات وغیرہ کی شعرار نے ایسی تصویر کھینچی ہے کہ نظمیں پڑھتے
...ہم آنکھوں سے ان کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم (نباتات وحیوانات) میں نباتات وحیوانات یعنی پھول پھل' کیڑے، پتنگے' تتلیاں' پرند و چرند وغیرہ کے متعلق نظمیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے شاعروں نے اشیائے قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم (عمرانیات)، اس میں ہندوستان کے تمدن' رسم و رواج، عید تہوار' شادی' میلے' ٹھیلے' کھیل تماشے' بزم و رزم کے حالات دل کو بے چین کر دیتے ہیں' شعر وسخن کا یہ عجیب دل کش انتخاب ہے۔ ان تینوں سیٹ کی پہلی بار ۱۹۱۹ء میں اشاعت ہوئی۔ تیسری بار محمد مقتدیٰ خاں شیروانی کے زیر اہتمام ۱۹۲۴ء میں علی گڑھ سے شائع کئے گئے تھے۔

عطیۂ قادریہ: یہ تحفہ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ میں یازدہم شریف میں بلاقیمت تقسیم ہوا۔

برنی کی تصانیف وتراجم کی تعداد الیاس برنی صاحب نے اپنی تصانیف وتراجم کی تعداد "۴۰" بیان کی ہے اور مولانا منت اللہ صاحب نے برنی صاحب کی تصانیف کی تعداد "۴۹" بتائی ہے[1]

برنی صاحب کی حیات میں ان کی کتابوں کے ناشر' ادارے' مکتبے اور مطابع مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد حیدرآباد دکن۔

۲۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ' حیدرآباد۔

۳۔ مکتبہ ابراہیمیہ (عابد شاپ) "

[1] مکاتیب گیلانی ج ۱ ص ۱۰۰

اختر دکن پریس، افضل گنج، حیدرآباد

محمد الیاس۔ جام باغ ترپ بازار 〃 (حیدرآباد میں قیام کے ابتدائی

پھر بیت السلام دیسف آباد۔ 〃

محمد مقتدیٰ خاں شروانی۔ منیجر مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ۔

بہ جامعہ ملیہ۔ دہلی۔

ج کمپنی لاہور۔ کراچی۔

اشرف لاہور۔

احب کی فارمیسی اکسیر انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد، جہاں برنی صاحب کے

تے تھے۔

بیر: معدہ کی شکایات میں مفید ہے۔

ئل: جسم کے درد، ورم، نزلہ، زکام، انفلوئنزا میں مفید ہے۔

رہم: جلدی امراض کے لئے مفید ہے۔

دان: خوشبودار ٹوتھ پیسٹ، دانتوں کی شکایات میں مفید ہے۔

بعض موذی امراض جو بالعموم لاعلاج مانے جاتے ہیں۔ بالخصوص جذام

کا بھی علاج بطور خاص کیا جاتا تھا۔

اکسیر انسٹی ٹیوٹ موصوف نے ۱۹۵۸ء میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے

سید عبدالوہاب بخاریؒ کی
"تفسیر القرآن"

از ڈاکٹر محمد شفقت اللہ صاحب[1]

سید عبدالوہاب بخاریؒ، سید جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ کی اولاد و احفاد میں سے ہیں[2]۔ ان کا خاندان ایک عرصے تک علم و دانش اور وعظ و ارشاد کا متوارث رہا۔ سید عبدالوہاب بخاری کے والد کا نام محمد الحسینی البخاری اور دادا کا نام رفیع الدین الحسینی البخاری تھا[3]۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو سید قطب الدین الحسینی البخاری کی صاحبزادی تھیں[4]۔

سید عبدالوہاب بخاریؒ نے قرآن حکیم کی ایک تفسیر لکھی جو "تفسیر القرآن" کے نام سے متعارف ہے۔ مولف نے قرآن مجید کی ہر آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و منقبت ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ تفسیر کا پہلو اسے دوسری تفاسیر سے ایک جداگانہ حیثیت دیتا ہے۔ اس تفسیر کے تعارف و تجزیہ سے پہلے مولفِ موصوف کے حالاتِ زندگی اختصار سے بیان کئے جاتے ہیں تاکہ ان کی اس دینی تربیت اور متصوفانہ طبیعت کا اندازہ ہو سکے، جس سے ان کے صوفیانہ مزاج کی تشکیل ہوئی اور انہوں نے ایسی تفسیر تالیف کی۔

سید عبدالوہاب بخاریؒ کی ولادت ۸۶۹ھ میں اُچ میں ہوئی اور انہوں نے اسی شہر

---

[1] اسوسیٹ پروفیسر شعبۂ عربی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان (پاکستان)

رش پائی[4] سید مناظر احسن گیلانی نے ملتان کو ان کا مولد قرار دیا ہے[5] جو درست
صحیح یہ ہے کہ ان کی ولادت اُچ میں ہوئی۔ جیسا کہ عبدالحئی الحسنیؒ نے اس کی تصریح
ہ

ر عبدالوہاب بخاریؒ نے ملتان میں سید صدر الدین بخاریؒ سے علم حاصل کیا[7] اور
نہیں کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ ان کے استاد و مرشد نے انہیں اپنی بیٹی کا رشتہ
اماد بنالیا تو انہوں نے ملتان میں سکونت اختیار کرلی اور اپنے پیر و مرشد کی
رہنے لگے تاکہ ان سے زیادہ سے زیادہ علمی و روحانی استفادہ کرسکیں[8]
صدرالدین بخاری حسینی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے سے سرشار تھے
ی اس کیفیت کو اپنے متعلقین و متوسلین میں بھی عام کرنا چاہتے تھے۔
عبدالوہاب کے دل میں اپنے پیر و مرشد کے ارشادات سن کر مدینہ طیبہ جانے
ہوگیا اور وہ اپنے استاد و مرشد کی محفل برخواست ہونے پر ان سے مدینہ
جازت طلب کرکے عازمِ سفر ہوئے اور اس طرح حج و زیارت کی سعادت
ہوئے[9] حجاز مقدس کے اس مبارک سفر اور وہاں پر مناسکِ حج کی
ندوستان میں اپنے وطن ملتان واپس آگئے اور کچھ عرصہ یہاں قیام

سکندر لودھی کے زمانے میں بعض وجوہات کی بنا پر وہ ملتان سے ترک
ں چلے گئے اور وہیں پر گھر بنایا اور توطن اختیار کرلیا[11] محمد غوثی شطاری
یں:

سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی آکر گھر بنایا اور گھر والی بھی بہم پہنچائی"[12]

اس سے متبادر ہوتا ہے کہ انہوں نے دہلی میں گھر بنانے کے بعد شادی بھی کی اور نکاح بھی دہلی یا کہیں اس کے مضافات میں کیا۔ شطاری مانڈوی کا یہ بیان صحیح نہیں۔ ان کی شادی کے بارے میں شطاری مانڈوی سے سہو ہوا ہے کیونکہ ان کی شادی ملتان میں اپنے استاد و مربی صدرالدین بخاریؒ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ جیسا کہ ہم اس مختصر مقالے میں اس سے پہلے تصریح کرچکے ہیں کہ وہ جب پہلی مرتبہ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ملتان سے روانہ ہوئے تھے تو وہ شادی شدہ تھے۔ ہمارے موقف کی تائید سید مناظر احسن گیلانی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

"ملتان میں ہے یہ متاہل ہونے کے بعد ایک خاص جذبہ کے تحت براہ خشکی بزیارت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بشتافت"[13]

سکندر لودھی ان کا بہت معتقد تھا اور ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا[14]۔ دہلی میں قیام کے دوران انہیں شاہ عبداللہ بن یوسف قریشی ملتانیؒ سے عقیدت ہوگئی تو ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے اور ان کی صحبت اختیار کرلی۔ شاہ عبداللہؒ سے ان کی محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ان کو فنا فی الشیخ بتایا ہے اور ان دونوں مرشد و مسترشد کے باہمی احترام و عقیدت کو مولانا روم اور شمس تبریز قدس اللہ اسرارہما کے باہمی تعلقِ خاطر سے تشبیہ دی ہے[15]۔

دہلی میں سکونت اختیار کرلینے کے بعد ان کے دل میں ایک بار پھر حجازِ مقدس کے سفر اور حج و زیارت کی آرزو پیدا ہوئی تو وہ دوسری بار حج کے لئے روانہ ہوئے۔ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے قلب و نظر کو سکون پہنچانے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد دہلی

آئے اور تادمِ مرگ اسی شہر میں مقیم رہے[16]

بدالوہاب بخاریؒ ایک صوفی منش، مجذوب طبع اور جہاں گشت و سیلانی فقیر تھے،

یلانیؒ نے لکھا ہے:

دفعہ نہیں متعدد بار ممالکِ اسلامیہ کی سیر کی اور حجاز آتے جاتے رہے۔"[17]

ں نے ۹۳۲ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں دہلی میں انتقال کیا۔ شیخ محمد غوثی

ویؒ نے ان کا سال وفات ۹۳۰ھ لکھا ہے[18] جو درست نہیں ہے، کیونکہ

محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

شیخ در ۹۳۲ھ اثنین وثلاثین وتسع مائۃ کہ عدد عبارت شیخ حاجی موافق

[19]

رہ نگاروں کی نسبت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا زمانہ سید عبدالوہاب

ے سے قریب تر ہے اور دونوں کا تعلق بھی ایک ہی شہر دہلی سے ہے۔ اس

ں محدث دہلویؒ کے بیان کو شطاری مانڈویؒ کے قول پر ترجیح حاصل ہے جبکہ

طاری مانڈوی دہلی سے دور جنوبی ہندوستان کے ایک شہر مانڈو کے

اور زمانی لحاظ سے محدث دہلویؒ سے متاخر بھی۔ شطاری مانڈوی کے علاوہ

کاروں شیخ عبدالحئی الحسنیؒ[20] اسماعیل پاشا بغدادی[21] عمر رضا کحالہ[22] اور عادل

نے ۹۳۲ھ کو ان کا سالِ وفات قرار دیا ہے۔ شیخ عبدالحئی حسنیؒ نے لکھا ہے

بخاریؒ نے اسی روز وفات پائی جس روز بابر فاتحانہ دہلی میں داخل ہوا۔[23]

رین نے عیسوی تقویم کے مطابق ۱۵۲۶ء کو ان کا سن وفات تحریر کیا ہے[25]۔

دہلی میں اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبداللہ بن یوسف قریشی ملتانیؒ کے

مقبرے کے جوار میں ہے[26]۔ وفات کے بعد بھی طویل عرصے تک دہلی شہر میں ان کی مجذوبیت کا شہرہ اور جذب و استغراق کا آوازہ بلند رہا۔ اہل دہلی ان کو "سید مچھی روٹی" کے عرف سے پکارتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ملفوظات میں ان کے بارے میں ارشاد ہے:

"سید عبدالوہاب بخاریؒ کہ مشہور بہ "سید مچھی روٹی" در اینجا شہرت دارد۔"[27]

سید عبدالوہاب بخاریؒ کی اولاد کے بارے میں اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ ان کا ابوالغیث نامی ایک بیٹا تھا جو مجذوب تھا۔ ان کا یہ فرزند اپنے باپ کی وفات کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا بلکہ اسی سال اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا جس سال سید عبدالوہاب بخاریؒ کی وفات ہوئی[28]

تصانیف سید عبدالوہاب بخاریؒ کے تصنیفی آثار میں سے ایک قلیل حصہ ہم تک پہنچا ہے، اس کی وجہ شاید ان کا حب رسولؐ میں افراط ہے۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ لوگوں نے ان کی تصانیف کو ان کے غلبہ حال اور جذبِ دروں کی کیفیت کا آئینہ دار قرار دیتے ہوئے علمی قدر و منزلت کا حامل نہ سمجھا ہو اور اسی بنا پر ان پر مناسب توجہ نہ دی ہو۔ اس طرح ان کی تصانیف اہلِ زمانہ کی توجہ کا مرکز نہ بن سکی ہوں اور دست بردِ زمانہ کا شکار ہو گئی ہوں۔ تاہم ان کی مندرجہ ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں:

۱۔ **تفسیر القرآن**: اکثر تذکرہ نگاروں نے انکی اس تصنیف کا ذکر کیا، اس کے صرف چند اقتباسات دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئے ہیں۔ ہم اس تفسیر کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے کلام کریں گے۔

۲۔ **رسالۃ فی شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم**: سید عبدالحئی حسنیؒ نے اس رسالے کو سید عبدالوہاب بخاریؒ کی تصنیف قرار دیا ہے[29]۔ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں

ز کی قلمی کتابوں (مخطوطات) کے بارے میں لکھے گئے کیٹلاگ اور فہارس
ب خانے میں اس کی موجودگی کا پتہ نہیں چلا۔ شاید یہ رسالہ دنیا سے ناپید

صائد بالعربیۃ فی مدحہ صلی اللہ علیہ وسلم: سید
ی کی اس عقیدت مندانہ کاوش کا ذکر عبدالحیٔ الحسنیؒ نے "نزہۃ الخواطر"
ے کے علاوہ کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ
ود ہو چکے ہیں۔

ہر تصنیف اپنے مصنف کی ذہنیت کی عکاس اور اس کے فکری
ا ہے۔ جس کے مندرجات سے مصنف کی علمی شخصیت کی جھلک نظر
ور ارباب فن کو جن علوم و فنون کے شعبوں میں خصوصی دستگاہ
وہ کسی بھی موضوع پر قلم اٹھائیں تو اس میں ان کے خاص فن کی
یہ کارفرما نظر آتی ہے۔ مفسرین کرام کی صورت حال بھی اس سے
کہ ان حضرات کو جن ادبی و لسانی، عقلی و کلامی یا دینی و اسلامی علوم
ہوتا ہے اس کا اظہار ان کی تفاسیر کے مباحث سے ہوتا ہے چنانچہ
ہیں:

منهم يقتصر	مفسرین میں سے ہر ایک اپنی تفسیر کو
ره على الفن الذى	اس علم و فن کے مباحث میں محدود
لبه [۳۱]	کر دیتا تھا جس میں اسے کمال حاصل
	ہوتا تھا۔

علم نحو کے ماہرین اپنی تفاسیر میں اعراب اور ان کے وجوہ نحو کے قواعد و مسائل اور ان کے اصول و فروع کے بارے میں موشگافیاں کرتے تھے۔ واحدی کی "البسیط" اور ابوحیان کی "البحر المحیط" اور "النہر الماد" اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ اخبار و مغازی اور علم تاریخ کا ذوق رکھنے والا کوئی عالم تفسیر لکھتا تو وہ گزشتہ قوموں کے قصوں اور خبروں کا اپنی تفسیر میں کثرت سے ذکر کرتا۔ ثعلبی کی تفسیر اس نوع کی تفاسیر سے تعلق رکھتی ہے۔ فقہی ذوق سے مالا مال افراد اپنی تفاسیر میں عقائد و عبادات اور معاملات کے اصولی و فروعی مسائل اور ان کے دلائل کے انبار لگا دیتے۔ اسی طرح علوم عقلیہ اور فلسفہ و کلام میں مہارت و دلچسپی رکھنے والے علما اپنی تفاسیر کو حکیمانہ مباحث اور فلسفیانہ مسائل سے آراستہ کرتے جیسا کہ فخر الدین رازی کی "التفسیر الکبیر" علوم عقلیہ کی روشنی میں تفسیری مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔[۳۲]

سید عبدالوہاب بخاریؒ کی تفسیر ان کے صوفیانہ مشرب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے انتہائی عقیدت مندانہ جذبے کا اظہار کرتی ہے۔ بچپن سے ان کی تربیت خانقاہی ماحول میں ہوئی۔ ان کے اساتذہ سید صدر الدین بخاری ملتانیؒ اور شاہ عبداللہ قریشی ملتانی ثم دہلویؒ دونوں مرتاض صوفی بزرگ تھے۔ سید عبدالوہاب اپنے اپنے اساتذہ کے ساتھ ایسی عقیدت و محبت اور تعظیم و احترام سے پیش آتے جسے فنافی الشیخ کہنا چاہئے۔ وہ شب و روز اپنے اساتذہ اور شیوخ کی خدمت میں حاضر رہتے حتیٰ کہ ان کے جذب و حال کے اوقات میں بھی ان کے پاس موجود ہوتے اور ان سے استفادہ و استفاضہ اور کسب و آموزش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ اس سے خود ان کی اپنی شخصیت میں مجذوبیت کے اثرات سرایت کر گئے اور کبھی کبھی خود ان پر بھی جذب و مستی کی کیفیات طاری ہوتیں۔ اسی استغراق اور غلبۂ حال میں ایک بار انہوں نے گھر بار اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر

ہ کی راہ لی تھی۔ انہوں نے اپنی تفسیر بھی استغراق اور غلبۂ حال میں لکھی تھی،
ذوبانہ افکار کی آئینہ دار ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

خ عبدالوہاب کی ایک تفسیر ہے جس میں انہوں نے اکثر بلکہ تمام مطالب
کو (تاویل کر کے) حضرت رسول کریمؐ کی تعریف اور آپ کے ذکر مبارک
ں لوٹایا ہے۔ اس میں انہوں نے عشق کے نکتے اور محبت کے اسرار کثرت
ت ئے ہیں، شاید غلبۂ حال اور استغراق عشق کے عالم میں ان سے ایسی
ا صدور ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بعض مقامات پر قرآنی الفاظ و عبارات
ہر کا خیال نہیں رکھا گیا ہے [۳۳]

دالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی ان کے اس تفسیری رجحان کو بیان کیا ہے۔
ا تبصرہ نہیں کیا وہ فرماتے ہیں:

نے اپنی تفسیر میں تمام قرآن مجید کو نبی کریمؐ کی نعت قرار دے دیا تھا [۳۴]

دالحیٔ حسنیؒ نے بھی اس تفسیر کے بارے میں اپنے انہی خیالات کا اظہار کیا
ی محدث دہلویؒ نے بیان کئے ہیں۔ البتہ انہوں نے اس بات کی تصریح
س تفسیر کا اکثر و بیشتر حصہ صحت و صواب کے منافی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:
کا احتمال ہے کہ یہ تفسیر انہوں نے اپنے غلبۂ حال میں تصنیف کی ہو
ا مور و مسائل کا انہوں نے ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر صحیح نہیں ہیں [۳۵]

ن مجید اور اس کی ہر ایک آیت کو رسول پاکؐ کی تعریف قرار دینا ایک
س کے اثبات کے لئے کوشش کرنا ایک ایسا عمل ہے جو بذات خود قرآن
ات، تعامل صحابہ اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہے کیونکہ

قرآن مجید میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت اور آپؐ کی حیثیت و اہمیت کو کما حقہٗ بیان کرنے کے باوجود کوئی صریح نص وارد نہیں جس سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہو، بلکہ قرآن کریم میں تو انبیائے سابقینؑ اور ان کی امتوں کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح گمراہ قوم سے مخاصمہ اور مجادلہ کی آیات وارد ہوئی ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی فکری و عملی کوتاہیوں کو آشکارا کیا گیا ہے۔ اسلامی عقائد کی تصریح اور مسلمانوں کی عملی زندگی کے لئے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن حکیم میں دنیا کی عارضی و فانی زندگی اور آخرت کی دائمی و ابدی حیات کی توضیح کے ساتھ ساتھ عدل و میزان اور حشر و نشر کی وضاحت کی گئی ہے۔ کفار و مشرکین کو جہنم کے ہولناک اور دائمی عذاب کی تہدید اور صالح مومنین کو جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں اور آسائشوں کی خوش خبری دی گئی ہے۔ احادیث کی بڑی بڑی کتابوں کا ایک مستقل حصہ کتاب التفسیر پر مشتمل ہوتا ہے جس میں مختلف سورتوں اور آیتوں کے بارے میں خود صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و توضیح اور تشریح وارد ہوئی ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ و عبارات سے صحابۂ کرامؓ علمی نکات اور فقہی احکام کے استخراج و استنباط کا ریکارڈ بھی موجود ہے۔ قرآن کریم کے مطالب و مفاہیم کی تعیین کے لئے تابعین عظامؒ اور علمائے کرام کے اقوال و ارشادات بھی مدون شکل میں موجود ہیں لیکن کہیں بھی نہ تو اس قسم کا کوئی دعویٰ کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کے اثبات کی کسی کوشش کا پتہ چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کا دعویٰ اور اس کا اثبات غیر مناسب بلکہ غیر صحیح ہے۔ سید مناظر احسن گیلانی نے اس تفسیر کے بارے میں لکھا ہے:

" الحمد سے لے کر والناس تک قرآن اور قرآن مجید کی ہر ایک آیت سے آپؐ

یہ معنی پیدا کیا کہ اس میں رسول کریمؐ کی تعریف اور نعت بیان کی گئی ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہوتا تو غنیمت تھا پوری تفسیر اس دعویٰ کے اثبات میں لکھ ڈالی۔ اس قسم کی تفسیر کے بارے میں جو کہا جا سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔"[36]

اس تفسیر کا نہ تو کوئی مکمل نسخہ دستیاب ہے اور نہ ہی اس کا مقدمہ میسر آسکا جس سے سید عبدالوہاب جیسے صوفی مزاج اور محبِ رسولؐ مفسر کی تفسیر نگاری کے ہداف و مقاصد سے آگاہی اور ان کی تالیف کے مصادر و مراجع کا صحیح علم ہو سکے۔ کن سید عبدالوہاب بخاریؒ اور ان کی تفسیر کے متعلق جو قلیل مواد دستیاب ہو سکا ھ اس پر انتہائی غور و خوض سے ہم اس تفسیر کے سببِ تالیف اور مصادر و مراجع اندازہ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سید عبدالوہاب بخاریؒ نے صرف حضرات سید صدرالدین بخاریؒ اور شاہ عبداللہ قریشی ملتانی کے سامنے زانوئے تہہ کیا۔ وہ بچپن میں سید صدرالدین بخاریؒ کے زیرِ تربیت رہے، ان کے مرشد و مربی اوائلِ عمر ہی سے رسول کریمؐ کی محبت ان کی گھٹی میں ڈالی اور پھر وہ پوری مدت زیرِ تربیت دوران ہونہار شاگرد رہے اور حبِ رسولؐ کے اس ذوق کو پروان چڑھاتے رہے کہ ایک روز سید عبدالوہاب بخاریؒ اپنے مرشد سے اجازت لے کر مدینہ طیبہ لئے نکل کھڑے ہوئے۔ بعد میں جب وہ دہلی میں قیام پذیر ہو گئے تو وہاں شاہ اللہ قریشی ملتانیؒ سے متاثر ہوئے جو مجاہدہ و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے۔ عبدالوہاب بخاریؒ ان کی شاگردی اختیار کر کے کسبِ فیض کرنے لگے۔ شاہ عبداللہ شی ملتانیؒ ان پر انتہائی توجہ فرماتے اور انہیں وہ علوم بھی سکھاتے جن کا مصدر ان کے مجاہدہ و ریاضت سے حاصل شدہ فراست و بصیرت اور کشف و الہام تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تفسیر القرآن کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"شیخ حاجی عبدالوہاب در تفسیر	ایک رات میں دانشمند مجنونوں
خودمی نویسد: یا ھذا انی کنت	کے امیر عبداللہ بن یوسف قریشی کی
لیلۃ فی خدمۃ مرشدی	خدمت میں حاضر تھا۔ وہ مجھے ان
رئیس العقلاء المجانین عبداللہ	علوم کے کئی مسائل سکھا رہے تھے،
ابن یوسف القرشی۔ وکان	جن کی اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم دی
یعلمنی مما علمہ اللہ	تھی۔ پس (اس دوران) ان کی گفتگو
فلما انتھی الی کیفیۃ	جب مشاہدۂ حق کی کیفیت پر پہنچی
المشاھدۃ فقال: ان	تو فرمانے لگے: یقیناً یہ علم احاطۂ تقریر
ھذا العلم لایدخل فی	میں نہیں آسکتا (یعنی اسے باتوں کے
التقریر، ولکن اذ حصل	ذریعے نہیں سمجھایا جا سکتا) لیکن جب
واسترشد یرشد وقال	(جذبۂ صادق سے) اس کی تحصیل
ذلک لان القلوب فی کونھا	وطلب کی جائے (تو خداوند کریم کی
وعاءً لاحوال متفاوتۃ	جانب سے اس کی طرف) رہنمائی کی
لایوجد قلبان متفقان	جاتی ہے۔ ایسا اس لئے ہے کیوں کہ
فی وجدان ثمرات	دل مختلف احوال و کیفیات کے
الاحوال اصلاً فکل قلب	ظروف (برتن) ہیں۔ لیکن کوئی دو
لہ لذۃ غیر لذۃ قلب	دل بھی احوال و کیفیات کے ثمرات

غیرہ۔[37]

کے ادراک و بصیرت میں بالکل
ایک جیسے نہیں ہیں۔ پس ہر ایک
دل کا ذوق دوسرے دل کے ذوق
سے مختلف ہے۔

ن تصریحات کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس تفسیر کے لکھنے کا سبب اور جذبۂ
ل کریمؐ کی ذات سے ان کی عقیدت و وابستگی ہے۔ عقیدت و وابستگی جو ابتدائے کار سے ان کے دل میں
ا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پختہ اور راسخ ہوتی گئی۔ اس کا داعیہ تو پہلے ہی
ا۔ لیکن اساتذہ، تعلیمی ماحول اور مکتب و خانقاہ کی فضا نے انہیں اور بھی اس
رنگ دیا۔ جہاں تک اس تفسیر کے مصادر و مراجع کا تعلق ہے تو اس تفسیر
بالا اقتباس کے جملے "وکان یعلمنی مما علمہ اللہ" (میرے مرشد مجھے
ن سے کچھ امور و مسائل کی تعلیم دیتے تھے جو علوم انہیں اللہ تعالیٰ نے سکھائے
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسرے صوفیہ کی طرح کشف و الہام کو علم کا ذریعہ قرار
۔ اس جملے کے الفاظ مما علمہ اللہ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے
وم وہبی کا عالم سمجھتے تھے۔ ان کے مرشد و مربی پہلے تو ان کو اپنے وہبی ولدنی علم
ب کرتے رہے بعد میں انہوں نے اپنے تلمیذ و مرید کو وہبی ولدنی علوم تک
ان کے حصول کا طریقہ بھی سکھا دیا۔ تفسیر القرآن کی تالیف کے وقت سید
بخاریؒ پر جو قلبی و روحانی واردات طاری ہوتیں وہ انہیں غلبۂ حال اور استغراق
رقم کر لیتے تھے۔ اس لئے ان سے تفسیر نگاری کے حدود و قیود کی پاسداری
۔ ان کی بہت ساری تاویلات، شطحیات[38] کے قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی

تاویلات کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ وہ قرآنی الفاظ و عبارات کے سیاق و سباق اور شانِ نزول کی پرواہ کئے بغیر زبردستی ان سے رسول پاکؐ کی مدحت و منقبت کے پہلو نکال رہے ہیں اور آیات قرآنی کی تفسیر میں انہوں نے جو توجیہات کی ہیں ان کا ماخذ و مصدر خود ان کا اپنا ذوق و وجدان اور کشف و الہام ہے یا ان کے مرشد کا وہ فیضان ہے جو مرشد نے انہیں اپنے وہبی علوم سے عطا کیا تھا۔

تفسیر القرآن کے صرف چند اقتباسات ملتے ہیں جو سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ، سورۂ انبیاء اور سورۂ حج کی چند آیات کی تفسیر پر مشتمل ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ سورۂ مریم

اس سورۂ مجیدہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر ملتی ہے:

(الف) پہلی، تیسری، بارہویں، تیرہویں، پندرہویں، سولہویں، پچاسویں، باسٹھویں، تریسٹھویں، سترویں۔

(ب) اس سورہ کی آیت (وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا) میں سے صرف "اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ" کی تفسیر ملتی ہے۔ مولف نے آیت کے دیگر الفاظ کی تفسیر نہیں کی۔

(ج) اس سورہ کی چھہترویں آیت (وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا) میں سے صرف آیت کے آخری حصے "والباقیات الصالحات سے خیر مردا تک" کی تفسیر موجود ہے۔ مولف نے آیت کے اس سے ماقبل الفاظ کی تفسیر نہیں کی۔

۲۔ سورۂ طٰہٰ

(الف) اس سورۂ شریفہ کی دوسری، تیسری اور گیارہویں آیت کی تفسیر میسر ہے

(ب) اس سورہ کی بارہویں آیت (اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ
دَّسِ طُوًى) میں سے "اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ" کے الفاظ کی تفسیر ملتی ہے۔

۳۔ سورۃ الانبیاء

تفسیر القرآن میں سے اس سورہ کی صرف سترہویں آیت (لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ
اً لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ) کی تفسیر کا اقتباس موجود ہے۔

۴۔ سورۃ حج

) اس سورہ شریفہ کی چھبیسویں اور سترویں آیات کے تمام و کمال الفاظ و عبارات
بیر میسر ہے۔

ب) اس سورہ کی اٹھارہویں آیت (اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ
وٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ
رُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ
للّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ) میں سے "اَلَمْ تَرَ
يَسْجُدُ لَهٗ .... وَالشَّجَرُ" کے الفاظ کی تفسیر ملتی ہے۔

ج) پچھترویں آیت (اَللّٰهُ يَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ
سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ) میں سے "اَللّٰهُ يَصْطَفِیْ ..... وَمِنَ النَّاسِ" کی تفسیر
ہے۔

قتباسات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں شیخ عبدالوہاب بخاری"
زندگی درج کرکے نقل کردئے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق اس وقت
رآن" کے دستیاب اقتباسات کا واحد ذریعہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی

یہی تالیف ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات میں مولف مختلف آیات سے خاطر خواہ تاویلات کرتے ہوئے "یحتمل ان یکون" (اس بات کا احتمال ہے) "یمکن" (ہوسکتا ہے) اور "یمکن ان یکون" (اس بات کا امکان ہے) کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور کہیں کہیں یہ الفاظ استعمال کئے بغیر بھی اپنی تاویلات رقم کردیتے ہیں۔ وہ ہر آیت کی تفسیر کا آغاز "اعلم" یا "اعلم یا ھذا" سے کرتے ہیں۔ "اعلم یا ھذا" کی ترکیب ان کی تفسیر میں کثرت سے آئی ہے۔ مولف نے ان آیات کی تفسیر میں کہیں بھی اپنا یا کسی اور شاعر کا کوئی نعتیہ یا دیگر اصناف سخن سے متعلق کوئی شعر درج نہیں کیا، حالانکہ وہ خود نعت گو شاعر تھے اور رسول کریمؐ کے فضائل و مناقب میں انہوں نے عربی میں قصائد لکھے ہیں۔ وہ "تفسیر القرآن" میں رسول کریمؐ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے ہیں۔

جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول پاکؐ کو خطاب ہوتا ہے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے وہ "یا محمد" خوب صورۃ" اور "یا احمد" خوب روی" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جیسے "وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْيَمَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"واذکر یا محمد" خوب صورۃ" و یا احمد" خوب روی" فی کتابك"

اسی طرح سورہ حج کی آیت "اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فقال اللّٰہ یا محمد" خوب روی""

ہوسکتا ہے وہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے پیار اور ان کی خوب صورتی کے اظہار کے لئے "خوب صورۃ" اور "خوب رو" جیسے فارسی الفاظ کا فصیح تحریری عربی میں

ست سمجھتے ہوں اور انہیں دخیل گردانتے ہوں۔ اسی والہانہ پن کا اظہار خصوصیت
ں وقت بھی کرتے ہیں جب وہ دیگر انبیائے کرام کے خصائص و فضائل میں
صریح آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ان فضائل و مناقب کو بھی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم
وابستہ کر دیتے ہیں اور ایسی تاویلات کے بعد "ھذا الوجہ الذی من
ارباب الحب" (یہ توجیہ ارباب عشق و اہل محبت کے نزدیک شیرینی سے
ذ ہے) اور اسی طرح "ھذا الذی من الحلو و اللبن المخلوط بالارز
صری" (یہ توجیہ شیرینی سے زیادہ شیریں اور شیر و شکر سے زیادہ لذیذ ہے)
عمال کرتے ہیں۔

ے کے سارے قرآن مجید سے رسول پاکؐ کی مدحت و نعت کے اثبات کی کوشش
یب اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت منفرد ہے۔ سید مناظر احسن گیلانی

تا ہوں کہ عوام میں ان کے اس کام نے بڑی اہمیت حاصل کی ہوگی کہ
ن مجید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے عام مسلمانوں کے لئے بظاہر بڑا
زہ ہے۔"

القرآن" کے دستیاب اقتباسات کے مطالعہ کے بعد یہی کچھ کہا جا سکتا ہے،
مام تر اہمیت اس کے مضامین و مشتملات کی ندرت کی بنا پر ہے ورنہ
علمی و فنی حیثیت سے محل نظر ہیں۔ قرآن کریم کے آغاز سے اختتام تک
میں سے ہر ایک آیت سے حضور سید المرسلین کی فضیلت و منقبت
مضامین کی تکرار کے لحاظ سے یہ تفسیر مسلمانوں کے پورے تفسیری

سرمائے میں عدیم النظیر ہے۔

چند اقتباسات چونکہ یہ مقالہ اردو میں ہے، اس لئے اردو خواں حضرات کی سہولت کے لئے تفسیر القرآن" کے چند اقتباسات بطور نمونہ اردو ترجمہ کے ساتھ درج کئے جا رہے ہیں۔ یہ ترجمہ مقالہ نگار نے کیا ہے۔ "تفسیر القرآن" کے ایسے مقامات جہاں مولف سے اپنی مجذوبیت کی وجہ سے شطحیات کا صدور ہوا ہے، ہم نے نہ تو ان مقامات و شطحیات کا اقتباس نقل کیا ہے اور نہ ہی ان کا ترجمہ کرنے کی جسارت کی ہے۔

سورۃ مریم

کھٰیٰعص (۱) اعلم یا حبیب	اے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم
حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ	سے محبت رکھنے والے انسان! اس
وسلم ان الحروف المقطعۃ	بات کو جان لے کہ حروف مقطعات
من خزائن اللہ العظیم	خداوند بزرگ کے ان خزانوں میں
التی قد سلمت الی النبی	سے ہیں جو پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
العظیم وعندہ مفاتح	کے سپرد کئے گئے ہیں اور آپؐ کے پاس
الغیب لا یعلمہا الا ھو	غیب ... ہیں جنھیں آپؐ کے
وقال علی بن ابی طالب کرم	علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ حضرت علی
اللہ وجہہ: ھذا اسم	کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ یہ حروف
اللہ الاعظم جل جلالہ	اللہ جل شانہ کا اسم اعظم ہیں۔
واعلم یا ھذا یحتمل ان	اے مخاطب! یہ جان لے کہ اس بات
یکون الکاف اشارۃ الی	کا بھی احتمال ہے کہ کھیعص کے

کن والہاء والیاء اشارۃ الی
لفظ ھیا للنداء والعین اشارۃ
الی عین العبد وھو محمد
سید المرسلین صلی اللہ علیہ
وسلم والصاد الی صورۃ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم والمعنی بھذا التاویل
ھیا عبد اللہ صورۃ
مل بجمال اللہ فینتفع
س بك ویکون ھذا
اب لسید المرسلین لیصیر
رۃ فی رحم امہ بعد
ان روحا ونورا عند اللہ
تہ کانت عند اللہ
لال صلی اللہ علیہ وسلم۔

مجموعۂ حروف میں سے) حرف کاف لفظ "کن" کی طرف اشارہ ہو حرف ھاء اور حرف یاء لفظ "ھیا" کی طرف اشارہ ہو جو ندا کے لئے بولا جاتا ہے اور حرف عین "عین العبد" (خصوصی اور حقیقی بندے) کی طرف اشارہ ہو اور وہ خود سردار انبیاء کی ذات ہے اور حرف صاد رسول اللہ کی صورت کی طرف اشارہ ہو۔ اس تاویل سے (کھیعص) کے معنی یہ ہوں گے کہ اے عبد خدا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جمال الٰہی سے آراستگی حاصل کرتے ہوئے اس طرح صورت پذیر ہو جائیے کہ لوگ آپ کی ذات سے استفادہ کریں۔ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اس لئے ہوگا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک عرصہ تک روح و نور کی حالت میں رہنے کے بعد اس کی مہربانی

سے اپنی والدہ ماجدہ کے رحم مبارک میں صورت پذیر ہو جائیں۔

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (۳) یمکن ھذا النداء زکریا الخفیۃ استشفاعۃ بسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وھو الذی توجہ الیہ جمیع الانبیاء علیھم السلام فی امورھم وحوائجھم وھو الامام المشھور فیما بینھم صلی اللہ علیہ وسلم

(جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا) ہو سکتا ہے کہ حضرت زکریاؑ کی یہ ندا جو انہوں نے پوشیدہ طور پر اللہ تعالیٰ سے کی (ان کی) ندا پروردگار عالم سے حضور سید المرسلین کی شفاعت طلبی کے لئے ہو کیونکہ آپ ہی وہ ذات ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنے امور وضروریات کے وقت آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ معشر انبیاءؑ میں "الامام" کے لقب سے مشہور ہیں۔

اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ ....(۵) ویمکن یا ھذا ان یکون خوف زکریا الموالی بان یتغیر وفی الانتظار لسیدنا وذلك لان الانبیاء کلھم کانوا منتظرین لبعثہ

(اور یقیناً میں اپنے پیچھے اپنے رشتہ داروں اور بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں۔)
اے مخاطب! ہو سکتا ہے کہ حضرت زکریا کو اپنے وارثوں (قرابت داروں اور بھائی بندوں) سے اس بات کا اندیشہ ہو کہ کہیں وہ سیدنا حضور کریم صلی اللہ

یوصون امتھم بانتظارہ
کی ینتفعوا بہ صلی اللہ علیہ
وسلم۔

علیہ وسلم (کی آمد آمد کا) انتظار کرتے
کرتے بدل نہ جائیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام
(اپنے اپنے زمانہ نبوت میں) آپؐ کی
بعثت کے منتظر رہے اور اپنی اپنی
امتوں کو آپؐ کی بعثت کا منتظر رہنے
کی وصیت کرتے رہے تاکہ وہ آپؐ سے
فائدہ و نفع حاصل کریں۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا
اِلَّا سَلٰمًا وَلَھُمْ رِزْقُھُمْ
فِیْھَا بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا (۶۲)

لایسمعون فیھا لغوا الا
سلما یمکن ان یکون السلام
منھم علی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ومنہ علیھم۔
وَلَھُمْ رِزْقُھُمْ فِیْھَا بُکْرَۃً
وَّعَشِیًّا۔ یمکن ان یکون الرزق
ھو الصحبۃ مع سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم افضل
الرزق۔

[(اہل جنت) اس میں بیہودہ باتیں
نہیں سنیں گے (وہ صرف سلام سنیں گے)
اور انہیں اس میں صبح و شام ان کا
رزق ملے گا] یہاں (سلاماً) سے یہ مراد
لی جا سکتی ہے کہ (جنت میں) اہل جنت
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو السلام
علیکم کہیں گے اور آپؐ اہل جنت کو۔
ہو سکتا ہے کہ اس رزق سے مراد حضور
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت
و ہم نشینی ہو کیونکہ آپ کی صحبت و
ہم نشینی سب سے اچھا رزق ہے۔

تِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِیْ نُوْرِثُ
مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا

(۶۳) یحتمل ان یکون من کان
تقیا ھو رسول اللہ ای نورث
ملک الجنۃ محمدا صلی اللہ
علیہ وسلم فیعطی من یشاء
وھو السلطان فی الدنیا والاخرۃ
فلہ الدنیا ولہ الجنۃ ولہ
المشاھدات صلی اللہ
علیہ وسلم۔

(یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں
میں سے ایسے شخص کو وارث بنائیں گے
جو پرہیزگار (ہوگا) اس بات کا احتمال
ہے کہ "من کان تقیا" سے مراد
رسول اللہؐ ہوں یعنی ہم نے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو جنت کا مالک بنا دیا۔
پس آپؐ جس کو چاہیں جنت عطا
فرمائیں اور جس سے چاہیں روک لیں
آپ دنیا و آخرت کے بادشاہ ہیں۔
(کیونکہ) دنیا، جنت اور مشاہدات
(سب کچھ) آپ ہی کا حق ہے۔

سورۃ طٰہٰ

فَلَمَّآ اَتٰىھَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی
اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ

..... (۱۲) اعلم یا ھذا ان
الکلیم لما جاء نودی بکلام
السلاطین وامر باداب
المتوجھین الی الملوک فقیل
انی انا ربک فاخلع نعلیک

(پس جب (حضرت موسیٰ آگ کے
پاس) آئے (تو انہیں بارگاہ خداوندی
سے) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا
رب ہوں پس اپنے جوتے اتار ڈالیے)
اے مخاطب! اس بات کو جان لے
کہ جب (حضرت موسیٰ) کلیم آئے (تو
انہیں بارگاہ خداوندی سے) بادشاہوں

فقوله: "انی انا ربك" اظهار
السلطنة وقوله: "فاخلع
نعليك" امر برعاية الادب
عند التوجه الى السلطان
والحبيب الشهيد الناظر
الى وجه السلطان بعين
الراس نودى بقوله تعالىٰ
"السلام عليك ايها النبى
ورحمة الله وبركاته" فكان
الخطاب بين الكليم والكريم
باظهار السلطنة وكان
بين الحبيب والمحبوب
باظهار الموانسة والملاطفة
فشتان بين الخطابين
ياهذا افافهم ان الكليم
كان غائباً والسلام على
الحاضرين والحبيب كان حاضراً
والسلام للحاضرين والكلام
باظهار السلطان للطالبين

کے انداز کلام کے ساتھ آواز دی گئی
اور (انہیں) شہنشاہوں کے دربار
میں حاضری دینے والوں کے رسوم
وآداب ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا اور
انہیں کہا گیا "انی انا ربک فاخلع
نعلیک" (میں تیرا پروردگار ہوں
پس اپنے جوتے اتار ڈالئے) پس قول
الٰہی "انا ربک" میں سلطنت (قوت
حاکمہ اور قدرت مقتدرہ) کا اظہار
ہے اور قول الٰہی "فاخلع نعلیک"
میں بادشاہ کے حضور آتے ہوئے
(حاضری کے) آداب بجالانے کا حکم ہے
جب کہ حاکم مقتدر کے رُخ انور پر
اپنی حقیقی آنکھوں سے نظر ڈالنے
والے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم
جب آئے تو آپ کو "السلام علیک
ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"
(اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت
اور برکتیں ہوں) کے الفاظ کے ساتھ

والسلام على المطلوبين
فالكليم كان طالباً ونعم الطالب
والمولى والحبيب كان مطلوبا
قد طلب بالبراق واوقظ
من النوم بلا وعد سابق.

آواز دی گئی۔ پس موسیٰ (کلیم) اور
رب کریم کے درمیان ہونے والی بات
چیت میں سطوت اور جاہ وجلال
کا اظہار مقصود تھا حبیب اور محبوب
(خدا اور رسول) کے درمیان ہونے
والی بات چیت میں انس ومحبت اور
لطف ومدارات کا اظہار مطلوب
تھا۔ سو حضرت کلیم اور محبوب کریم سے
کئے جانے والے خطاب میں کس قدر
نمایاں فرق موجود ہے۔

اے مخاطب! اس بات کو جان لے کہ
کلیم غائب تھے اور سلام حاضرین پر تھا
اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم موجود
تھے اور سلام بھی موجودین پر تھا۔
طالبین کے لئے خطاب جاہ وجلال
کے اظہار کے ساتھ تھا کیوں کہ حضرت
کلیم طالب تھے اور کتنا اچھا ہے وہ
شخص جو مالک حقیقی کا طالب گار ہو
جب کہ حبیب مطلوب تھے اور انہیں

کسی گزشتہ وعدے کے بغیر نیند سے
بیدار کر کے "براق" پر سوار کر کے بلایا گیا۔

سورۃ الانبیاء

وَاَرَدْنَا اَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا	(اگر ہم چاہتے کہ (اس کائنات کو)
تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا	کھیل تماشا بنائیں تو ہم اپنے پاس
نْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ (۱۷) اعلم	سے بنا لیتے اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے
هذا اِنْ فِيْهِمَا اسرار الله	اے مخاطب! یہ جان لے کہ اس آیت
يعلمهما الا هو والرسول	میں اسرار الٰہی ہیں جن کو اللہ اور اس کے
يتمل ان يكون المراد	رسولؐ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور
ن المتخذ من لدن رب	اس بات کا بھی احتمال ہے کہ المتخذ
العالمين هو الحبيب صلى الله	من رب العالمین" سے مراد
يه وسلم اى لو اردنا ان	حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو
تخذ ولدًا كما زعمت	یعنی اگر ہم نے ارادہ کیا ہوتا کہ ہم (کسی کو)
صارىٰ لا تخذ ناه من	بیٹا بنا لیں جیسا کہ نصاریٰ کا گمان ہے
نا بان نتخذ محمدًا	کہ ہم نے (عیسیٰ) کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے
ن احين كان لدينا نورًا	تو ہم حضرت محمدؐ کو (اس وقت) بیٹا بنا
ق جميع الكائنات وهو	لیتے جب آپ تمام کائنات کی تخلیق
ر ليس كمثله احد من	سے پہلے ہمارے پاس نور کی صورت
شر لا ان نتخذ عيسىٰ الذى	میں موجود تھے (کیونکہ) آپ ایسے

هو من اتباع محمد ولدًا	(ارفع و اعلیٰ اور احسن و افضل)
ولكن الله سبحانه وتعالىٰ	بشر ہیں کہ عالم بشریت میں آپ جیسا
منزه عما يقول الظالمون	کوئی اور بشر نہیں۔ (ہم اگر بیٹا بناتے
فمحمد عبده ورسول	ہوتا تو آپ کو بیٹا بناتے نہ کہ حضرت
وعيسىٰ عبده ورسوله۔	عیسیٰ کو جو کہ آپ کے متبعین میں سے
	ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس بات سے بالا
	و اعلیٰ اور پاک و صاف ہے جو کہ مشرک
	لوگ کہتے ہیں کیونکہ حضرت محمدؐ اللہ کے
	بندے اور رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ
	بھی اسی کے بندے اور رسول ہیں۔

سورۃ الحج

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ	(اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ
مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ	کعبہ کی جگہ مقرر و متعین کر دی (اور
بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ	انہیں کہا کہ) میرے ساتھ کسی چیز کو
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ	شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو طواف
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (۲۶)	کرنے والوں، قیام کرنے والوں، رجوع
اعلم يا هذا ان المقصود	کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے
من البيت طينة سيد	لئے پاک رکھنا۔ اے مخاطب! اس
المرسلين صلى الله عليه وسلم	بات کو جان لے کہ "البیت" سے مراد

...یما شرفت الکعبۃ وسمیت
...یت اللہ تعالیٰ واللہ اعلم
...لتطہر ایضا کان لتربۃ
...ید علیہ السلام وفیہما
...ار اللہ لا یعلمہ الا اللہ
...سولہ جل جلالہ وصلی اللہ
...یہ وسلم۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
کی طینت (آب وگل کا وہ خمیر جس سے
آپ کے وجود اطہر کی تشکیل ہوئی) ہے
اسی سے کعبہ کو شرف بخشا گیا اور اس کا
نام بیت اللہ رکھا گیا اور اللہ سب سے
زیادہ علم والا ہے۔ اس آیت میں اسرار
خداوندی ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول
کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حوالہ وحواشی جات

...خ عبدالحق محدث، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، دہلی مطبع مجتبائی ۱۳۳۲ھ ص ۲۱۵
...حی، نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، ملتان، طیب اکادمی ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۱ء
...[3] ایضاً [4] ایضاً [5] گیلانی، مولانا مناظر احسن، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام
...حیدرآباد دکن، مطبع النظامی، سن طباعت ندارد، جلد ۲، ص ۳۰۹ [6] حسنی عبدالحیٔ
...لا ج ۴ ص ۱۹۹ [7] ایضاً [8] ایضاً [9] دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، حوالہ مذکورہ
...[10] حسنی عبدالحیٔ، حوالہ مذکورہ بالا، جلد ۴ ص ۱۹۹ [11] دہلوی شیخ عبدالحق محدث
...لا ص ۲۱۵ [12] مانڈوی، محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، مترجمہ فضل احمد جیوری
...بک فاونڈیشن، ۱۹۷۵ء، ص ۲۳۰ [13] گیلانی مولانا مناظر احسن، حوالہ مذکورہ
...[14] حسنی عبدالحیٔ، حوالہ مذکورہ بالا ج ۴، ص ۱۹۹ [15] دہلوی شیخ عبدالحق محدث
...ص ۲۱۵ [16] حسنی عبدالحیٔ حوالہ مذکورہ بالا ج ۴ ص ۱۹۹ [17] گیلانی مولانا مناظر

احسن حوالہ مذکورہ بالا، ج ۲ ص ۳۱۰ [18] مانڈوی، محمد غوثی شطاری، حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۳۰ [19] دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۱۵ [20] حسنی عبدالحیٔ حوالہ مذکورہ بالا ج ۴ ص ۱۹۹ [21] البغدادی، اسمٰعیل پاشا، ہدیۃ العارفین، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء ص ۶۳۰ [22] کحالہ، عمر رضا، معجم المولفین بیروت، دار احیاء التراث، سن طباعت مذکور نہیں، ج ۶ ص ۲۱۷ [23] عادل نویہض، معجم المفسرین، بیروت، موسسۃ نویہض الثقافیہ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، ج ۱ ص ۳۳۷ [24] حسنی عبدالحیٔ حوالہ مذکورہ بالا ج ۴ ص ۳۰۰ [25] عادل نویہض، حوالہ مذکورہ بالا ج ۱ ص ۳۳۷ [26] دہلوی شیخ عبدالحق محدث، حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۱۵ [27] دہلوی شیخ عبدالعزیز، ملفوظات شاہ عبدالعزیز، میرٹھ، مطبع مجتبائی ۱۳۱۴ھ ص ۸۵ [28] مانڈوی، محمد غوثی شطاری، حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۳۰ [29] حسنی عبدالحیٔ، حوالہ مذکورہ بالا ج ۴ ص ۲۰۰ [30] ایضاً [31] السیوطی، امام جلال الدین عبدالرحمٰن، الاتقان فی علوم القرآن تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، منشورات رضی (ایران) ۱۳۸۰ھ۔ش ج ۲ (الجزء الرابع) ص ۲۲۳ [32] ایضاً [33] دہلوی شیخ عبدالحق محدث، حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۱۵ [34] دہلوی شاہ عبدالعزیز، حوالہ مذکورہ بالا، ص ۸۵ [35] حسنی، عبدالحیٔ، حوالہ مذکورہ بالا، ج ۴ ص ۱۹۹ [36] گیلانی مولانا مناظر احسن، حوالہ مذکورہ بالا ج ۲ ص ۳۱۰ [37] دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۱۴ [38] وہ خلاف شریعت الفاظ و کلمات جو سکر و مستی اور جذب و ذوق کے عالم میں غیر اختیاری طور پر صوفیاء کے زبان سے صادر ہوں شطحیات کہلاتے ہیں۔ شطح اور شطحیات کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: i۔ ابن عربی، کتاب اصطلاح الصوفیہ حیدرآباد دکن، ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء۔ بذیل مادہ ص ۳۔ ii۔ ابن خلدون، المقدمۃ، موسسۃ الاعلمی، بیروت، سن طباعت ندارد، بذیل علم التصوف، ص ۴۷۶-۴۷۵۔ iii۔ شریف جرجانی، کتاب التعریفات، تحقیق ڈاکٹر عبدالرحمن عمرۃ، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء بذیل مادہ، ص ۱۶۶۔ iv۔ محمد اعلیٰ التھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء ج ۱، ص ۷۳۵۔ v۔ محمد غازی عرابی، النصوص فی علم التصوف، دار قتیبہ، دمشق ۱۹۸۵ء بذیل مادہ، ص ۱۷۵۔

...رالدین مسعود گنج شکرؒ کے معاصرین

از

جناب فیروزالدین احمد فریدی *

...تن میں ، فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے مزار کے سرہانے ، موجودہ ...سے ، بہت اہتمام سے ایک تختی نصب کی گئی ہے جس پر سات سو سالہ ...رالاولیاء'' کے حوالے سے فریدالدین مسعودؒ کی تاریخ وفات ۵ محرم ...۵ محرم کے تاریخِ وفات ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں کیوں کہ ...ت فریدالدین مسعودؒ کے خلیفہ اور سب سے چہیتے مرید خواجہ نظام ...ستند فرمودہ ہے ، لیکن مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں ۶۶۴ھ (مطابق ...وفات ہونا درست نہیں۔

...شواہد کی روشنی میں فریدالدین مسعودؒ کا سالِ وفات ۶۶۸ھ یا ۶۷۰ھ ...واہد کیا ہیں ؟ یہ مضمون ان کا متحمل نہیں ہوسکتا ، ان کے بارے میں ...ودگنج شکرؒ کا سال وفات'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ برِ صغیر ...م دینی ، تحقیقی اور علمی رسالہ ''معارف'' میں قسط وار ، دسمبر ۲۰۰۱ء سے

...اے ، سٹریٹ ۱۵ ، باتھ آئی لینڈ ، کراچی ، ۷۵۵۳۰ ۔ پاکستان ۔

فریدالدین مسعودؒ کے عقیدت مند اس مضمون کو پڑھنے کے بعد اس صدیوں پرانے مسئلے پر غور و فکر کریں اور اکیسویں صدی عیسوی میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچیں اگر فریدالدین مسعودؒ کا سالِ وفات (۵ محرم) ۶۶۸ھ ہے تو عیسوی تقویم کے مطابق آپ کی تاریخ وفات چار ستمبر ۱۲۶۹ھ بروز بدھ پڑتی ہے۔ اگر سالِ وفات (۵ محرم) ۶۷۰ھ ہے تو تاریخِ وفات تیرہ اگست ۱۲۷۱ء بروز جمعرات ہوگی۔

فریدالدین مسعودؒ ۱۱۸۰ء اور ۱۲۷۱ء کے درمیان تقریباً ۹۰ برس جئے۔ ۹۰ برس کا یہ دور تاریخ عالم میں قرونِ وسطیٰ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ ایک عجیب دور تھا ، ایک طرف مسلمانوں کی دنیاوی حکومت ان پستیوں میں گری جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی ، دوسری طرف اسلامی تصوف نے عروج کی ان بلندیوں کو چھوا جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور جس کا اندازہ درج ذیل حقایق سے ہوجائے گا۔

یہ وہ دور تھا جب بغداد میں صدیوں سے قائم خلافتِ عباسیہ اور قرطبہ میں صدیوں سے قائم خلافتِ امویہ کا خاتمہ ہوا یہی وہ دور تھا جب چنگیز خاں ۱۱۶۲ء کے لگ بھگ منگولیا میں پیدا ہوا ، بابا صاحب اس کے کوئی اٹھارہ برس بعد ملتان کے مضافات میں ایک قصبے ''کوٹھے والی'' یا ''کھتوال'' میں پیدا ہوئے ، ۱۲۲۷ء میں جب چنگیز خاں مرا تو بابا صاحب ۴۶ ، ۴۷ سال کے تھے ، یہی وہ دور تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۹۳ء میں وفات پائی ، بابا صاحب اس وقت ۱۲ برس کے لڑکے تھے یہی وہ دور تھا ، جب ۱۰ جون ۱۲۱۵ء کو شاہ انگلستان ''جان'' نے ''میگنا کارٹا'' پر دستخط کیے جو عوام کے حقوق کے بین الاقوامی چارٹر کے طور پر آج تک مشہور ہے ، جب انگلستان میں ''رنی میڈ'' کے مقام پر اس عالمی شہرت پانے والی دستاویز پر دستخط ہو رہے تھے تو بابا صاحب کی عمر

ں ،اس وقت پاپائے روم ''انوسنٹ III'' تھا کم لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ
یان'' کی اپیل پر اس مشہور و معروف پوپ نے میگنا کارٹا کو منسوخ
۱۱ء میں جب اسپین میں مسلم حکومت کے دار السلطنت قرطبہ سے
ت ہمیشہ کے لئے ختم ہوئی، اس وقت بابا صاحب تقریباً ۵۵ برس
س بعد، ۱۲۵۸ء میں جب ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی
برس کے پیٹے میں تھے۔
ر قرطبہ صرف مسلم حکومتوں کے دار الخلافے نہ تھے بلکہ مشرق اور
ت مسلم تہذیب و تمدن بلکہ بین الاقوامی علوم اور فنون کے مراکز تھے،
ں دیکھئے کہ ایک طرف مشرق اور مغرب میں عقل اور علم کے یہ قدیم
ے اور ادھر اسی دور میں ۱۲۴۹ء میں مغرب میں آکسفورڈ کے مقام پر
یونیورسٹی کالج آکسفورڈ'' کے نام سے قائم ہو رہا تھا اور ادھر مشرق
یباً ستر برس کی عمر میں پاک پتن میں جو اس زمانے میں اجودھن
م اور عشق کے اس بین الاقوامی مرکز کی بنیاد رکھ رہے تھے جو
ت خانہ کہلاتا تھا، یہی وہ دور تھا جب ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح
شلم فتح کیا جو تقریباً اگلی آٹھ صدی تک یعنی ۱۹۶۷ء تک مسلمانوں
ہ دور تھا جس میں ۱۱۸۹ء میں تیسری صلیبی جنگ کا آغاز ہوا جس
ہ رچرڈ شیر دل شریک تھا، اور سب سے آخر میں یہ بات کہ یہی وہ
ہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۳ء میں ترائن کے مقام پر، اجمیر اور
راج کو شکست دے کر دلی پر قبضہ کر لیا، ۱۱۹۳ء ہی وہ سال تھا جب

صلاح الدین ایوبی کا انتقال ہوا، ترائن کی جنگ اور صلاح الدین ایوبی کے انتقال کے وقت بابا صاحب بارہ تیرہ برس کے لڑکے تھے، ۱۲۰۶ء میں شہاب الدین محمد غوری کے غلام اور جنرل قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی، قطب الدین ایبک کے بعد خاندانِ غلاماں کے مشہور سلاطین دہلی میں التمش، رضیہ سلطانہ، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کے نام آتے ہیں، بلبن ۱۲۶۶ء (مطابق گیارہ جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ) کو سلطان دہلی بنا۔ بابا صاحب اس وقت حیات تھے اور اسی وجہ سے ۵/محرم ۶۶۴ھ ان کی تاریخ وفات نہیں ہو سکتی، بابا صاحب نے بلبن کے ابتدائی دور سلطانی میں ۶ ستمبر ۱۲۶۹ء یا ۱۳/اگست ۱۲۷۱ء (۵ محرم ۶۶۸ھ یا ۵ محرم ۶۷۰ھ) کو تقریباً نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

اسی عہد کا مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی اپنی مشہور کتاب ''تاریخ فیروز شاہی'' میں لکھتا ہے:

''یہ عہد ایسے مشائخ کی موجودگی سے مزین اور مشرف تھا کہ ان جیسی ہستی مدت میں پیدا ہوتی ہے، مثلاً اس (یعنی بلبن) کے عہد کے ابتدائی دور میں شیخ شیوخ العالم فرید الدین مسعود بہ قید حیات تھے، وہ قطبِ عالم اور مدارِ جہاں تھے، اس خطۂ زمین کے لوگوں کو انہوں نے اپنی پناہ اور اپنے سائے میں لے رکھا تھا........ ان کے قرب اور برکتِ انفاس کی وجہ سے لوگ دین و دنیا کی مصیبتوں سے نجات پاتے تھے اور جو اس کے اہل تھے (وہ) ان کی ارادت کے ذریعے بلند مراتب حاصل کرتے تھے''۔

ضیاء الدین برنی کے یہ جملے پڑھ کر ہماری نظر بے ساختہ زمین سے اٹھ کر

ان پر پڑتی ہے، تاریخ گواہ ہے کہ آسمان تصوف پر اتنے روشن ستارے
آب وتاب سے چمکتے دمکتے اور جگمگاتے نظر آئے اور نہ بعد میں۔ یوں
ں زمینیں زرخیز ہوتی ہیں، ویسے ہی جیسے بعض زمانے مردم خیز ہوتے
یک انتہائی مردم خیز دور تھا، بابا صاحب کے تیرہ (۱۳) مشہور ہم عصر
یں:

الدین ابن عربی (۲) جلال الدین رومی (۳) شیخ سعدی
ین سہروردی (۵) لال شہباز قلندر (سہون سندھ) (۶) بہاء الدین
۷) جلال الدین بخاری (اُدچ) (۸) معین الدین چشتی
بختیار کاکی (۱۰) نظام الدین اولیاء (۱۱) علاء الدین صابر (کلیر)
عطار (۱۳) ابوالحسن علی الشاذلی۔

کے چودھویں عظیم صوفی عبدالقادر جیلانی ہیں جن کا نام بزمِ صوفیہ
ں صرف اس لئے شامل نہیں کیا گیا کہ ان کا انتقال بابا صاحب کی
ودہ برس پہلے ہوگیا تھا۔

ے کہ اسلامی تصوف کے عظیم سلسلوں میں سے دو سلسلوں یعنی
ذلیہ" سلسلوں کے بانی یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ ابوالحسن علی
ے تعلق رکھتے ہیں، دو عظیم سلسلوں یعنی چشتیہ اور سہروردیہ کے
یعنی خواجہ معین الدین چشتی اور شیخ شہاب الدین سہروردی بھی اسی
کھتے ہیں، برِ صغیر پاک و ہند سے باہر ابن عربی، جلال الدین
ر فریدالدین عطار جیسے شہرۂ آفاق نام اور برِ صغیر میں سہون کے

لال شہباز قلندر، ملتان کے بہاء الدین زکریا، اُدچ کے جلال الدین بخاری اور سلسلۂ چشت کے قطب الدین بختیار، نظام الدین اولیاء اور علاء الدین صابر سب اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایسا دور اسلامی تاریخ میں پہلے آیا، نہ بعد میں، دنیا کی بادشاہتوں کی بربادی کا یہ دور دین کے شہنشاہوں کی تاجداری کا دور تھا، بعض لوگ، بلکہ شاید اکثر لوگ اسے اتفاقاتِ زمانہ سے تعبیر کریں گے، بعض اسے غالباً اتفاقِ زمانہ سے تعبیر نہیں کریں گے۔

۱۹۷۳ء میں ہندوستانیوں نے وہ کیا جس کی توفیق پاکستانیوں کو آج تک نہ ہوسکی، نومبر ۱۹۷۳ء میں بابا فرید میموریل سوسائٹی پٹیالہ نے بابا صاحب کا آٹھ سو سالہ جشن ولادت دلی، اجمیر اور لکھنؤ میں بڑی دھوم دھام سے منایا جس میں جمہوریہ ہند کے صدر سے لے کر بھارت کے چوٹی کے وزراء، سیاسی رہنما اور سرکاری عہدے دار سب ہی شریک ہوئے، اس موقع پر بابا صاحب کی شان میں پانچ اشعار پر مشتمل ایک مختصر اور دل نشین نظم پڑھنے کا اعزاز ایک سکھ شاعر کے نصیب میں آیا، نظم یہ ہے:

اے فریدالدین بابا اے مرے گنج شکر — عالم الحاد تیرے خوف سے زیر و زبر
تو نے بخشا اک جہاں کو بادۂ عرفاں کا نور — زہد کا، اخلاص کا تسلیم کا، ایماں کا نور
راہ حق سے اور حق سے تھی شناسائی تیری — اس لئے ہوتی ہے ہر دل میں پذیرائی تیری
ٹوٹ سکتا ہے نظامِ انجم و شمس و قمر — اور مٹ سکتے ہیں دنیا سے یہ دشت و بحر و بر
لیکن اے گنج شکر تو زندہ و پائندہ ہے — کل بھی تابندہ رہے گا، آج بھی تابندہ ہے

اس سکھ کا نام تھا: کنور مہندر سنگھ بیدی، اس کا تخلص تھا: سحر۔ یہ نام اور تخلص آج بھی ہندوستان اور پاکستان میں روشن ہے۔

ت

پروفیسر آل احمد سرور

ضیاء الدین اصلاحی

ری ۲۰۰۲ء کو اردو کے بزرگ استاذ، اردو تحریک کے معمر قائد، اردو کے سب سے
و نقاد، اچھے شاعر، نامور اہلِ قلم، غالب و اقبال کے پایہ شناس اور علی گڑھ اور سرسید
اشق و شیدائی پروفیسر آل احمد سرور رحلت فرما گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ
دنیا کو مغموم، سوگوار اور اداس چھوڑ گئے ع مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے۔

اس کس مپرسی کے دور میں اس کے ایک نہایت ممتاز عالم اور دانشور کا اُٹھ جانا حادثہ
دو کا بڑا زیاں اور خسارہ ہے۔

یات کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا، لیکن برسوں کی گردشِ
ر صاحب جیسا مایۂ ناز انسان پردۂ خاک سے نکلتا ہے، ان ہی کا شعر ہے ؎

کتنے یہاں ڈوبتے ابھرتے ہیں کبھی کبھی ہی نکلتا ہے آفتاب کوئی

کیسے پُر ہوگا اور اردو زبان، ادب اور تنقید کے نقصان کی تلافی کیسے ہوگی
ع اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

ل احمد سرور ۱۹۱۱ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے، ابتدائی اور ثانوی تعلیم پیلی بھیت
اصل کی، آگرہ سے بی۔ایس۔سی کیا، ۱۹۳۲ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں

داخلہ لیا اور ۱۹۳۴ء میں انگریزی میں ایم۔اے کرکے اسی کے استاد ہوگئے، اردو ان کی محبوب مادری زبان تھی، ۱۹۳۶ء میں اس میں ایم۔اے کرکے انگریزی سے اردو شعبہ میں منتقل ہوگئے اور اسی زبان سے پیمانِ وفا باندھ لیا، چاہتے تو کوئی اعلا سرکاری عہدہ مل جاتا، لیکن انہیں اپنی زبان اور اپنی تہذیب زیادہ عزیز تھی اس لئے سائنس اور انگریزی جیسے سکۂ رائج الوقت کو بھنانے کے بجائے اردو کی گلی کوچے کی خاک چھاننے میں ان کو شاہانہ لطف و لذت ملی ؎

کے گزارم من گدائے کوئے تو بادشاہی زیں گدائے یافتم

۱۹۴۶ء میں وہ لکھنؤ یونی ورسٹی کے شعبہ اردو میں ریڈر ہوکر آئے، اس وقت لکھنؤ میں شعر و ادب کی نئی بساط بچھ چکی تھی اور ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اس کے سپہرِ علم و ادب پر نئے ستارے جلوہ فگن ہو رہے تھے، لیکن طرزِ کہن کے دل دادگان اور "یادگارِ زمانہ لوگ" بھی ابھی تک ضوفشاں تھے اور افقِ ادب پر نمودار ہونے والے نئے شاعروں اور ادیبوں میں بھی ایک رکھ رکھاؤ تھا اور سب کی بزم آرائی کا مرکز "دانش محل" تھا، سرور صاحب دونوں حلقوں میں گھلے ملے رہے۔

ع بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

مگر جلد ہی مادر علمی کی کشش انہیں پھر علی گڑھ کھینچ لائی اور شعبہ اردو کے سربراہ ہوئے، وظیفہ یاب ہونے کے بعد کشمیر کی دل فریبی اور جاذبیت انہیں اپنی طرف کھینچ لائی اور اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر کے ڈائریکٹر بنائے گئے، ۱۹۹۰ء میں علی گڑھ کے شعبہ اردو میں پروفیسر ایمریٹس ہوئے۔

غرض گھوم پھر کر زندگی کا زیادہ حصہ علی گڑھ میں گزارا، داخلہ لینے کے بعد ہی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی طلبہ یونین کے نائب صدر اور علی گڑھ میگزین کے اڈیٹر مقرر ہوئے، ایس ایس ہال کے پرووسٹ، اسٹاف ایسوسی ایشن اور شعبۂ اردو کے صدر، آرٹ فیکلٹی کے ڈین اور پروفیسر ایمریٹس رہے، ایگزیکٹو کونسل اور یونی ورسٹی کورٹ کے رکن بھی ہوتے رہے اور اپنے علم، تجربہ اور سوجھ بوجھ

کو فائدہ پہنچاتے اور اس کا نام روشن کرتے رہے، علی گڑھ ہی میں مستقل سکونت کے لیے
تعمیر کرایا۔ گو ان کا انتقال دہلی میں ہوا تھا مگر ابدی آرام گاہ یہی سرزمین بنی۔

طرح اردو بھی ان کی زندگی کا محور رہی، عمر بھر وہ اس کے گیسو کو سنوارتے اور تاب دار
تدریسی زندگی کا آغاز انگریزی کی معلمی سے ہوا تھا۔ لیکن پھر ساری عمر اردو ہی ان کا
ہوگئی تھی اور اس کی تدریس پر مامور رہ کر اور اس میں مضامین اور تصنیفات کا انبار
قار و اعتبار فزوں سے فزوں تر کرتے رہے۔

ریک کی قیادت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ایسے وقت آئی تھی جب ایوانِ حکومت
دینے کی سازشیں ہو رہی تھیں اور تنگ اور متعصب حکمراں اسے مٹا دینے پر
تھے، ایسے نازک دور میں اردو کی روحِ مضمحل میں نئی روح پھونکنے کے لئے جو مسیحا
وش سامنے آئے ان میں آل احمد سرور بھی تھے، انہوں نے انجمن ترقی اردو ہند کے
کی حیثیت سے اردو کے تحفظ و ترقی کے لئے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔
بائیس لاکھ دستخطوں کے محضر کے ساتھ ملک کے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد
ش کی گئی تھی۔

اردو والوں کو بہلانے اور پھسلانے کے لئے برابر دام بچھا کر اس میں دانے
اردو کے فروغ و ترقی اور اس کی تعلیم کو رائج کرنے کے نام پر وقتاً فوقتاً جو کمیٹیاں
یں گجرال کمیٹی کا غلغلہ عرصے تک بلند رہا مگر اس کی تجویزیں اور سفارشات
ال دی گئیں، شور ہونے پر جعفری اور سرور کمیٹیاں تشکیل کر کے زبان بندی کی گئی
احب نے اپنا کام بخوبی انجام دیا اور گجرال کمیٹی کی سفارشات کی نشاندہی کر کے
یا مگر یہ سب بے سود رہا اور سرور صاحب کی دلیل و حجت بھی متعصب لوگوں کے

بگڑے ذہن و نیت کی اصلاح نہ کر سکی۔

سرور صاحب اس امر کو نہایت شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ پرائمری اور ثانوی سطح پر اردو تعلیم کے بغیر اس زبان کا فروغ نہیں ہو سکتا، اردو پڑھنا پڑھانا بند کر کے اس پر جو تیشہ چلایا گیا ہے اسے کند بنانے کے لئے اس کی تعلیم کو رواج دینا ضروری ہے، فرماتے ہیں:

"تعلیمی اور تہذیبی اور قومی نقطہ نظر سے مادری زبان میں ابتدائی تعلیم ایک ایسا پتھر ہے جس کے بغیر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی ساری عمارت کجی کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے جب تک زبان کی بنیاد مستحکم نہ ہو ادب کا فروغ ممکن نہیں، اس لئے جب تک اردو زبان کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا کما حقہ انتظام نہیں ہوتا اس وقت تک یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اردو زبان و ادب ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اگر اردو دوستوں کو واقعی اپنی زبان سے محبت ہے تو انہیں بڑے پیمانے پر ایک ایسی مہم چلانی ہوگی جس سے پہلے مرحلے پر اردو میں ابتدائی تعلیم کا انتظام ہو اور دوسرے مرحلے پر ثانوی تعلیم میں سہ لسانی فارمولے کے ذریعے اردو تعلیم کو آگے بڑھایا جائے۔"

انجمن کے پلیٹ فارم سے انہوں نے معیاری کتابیں شائع کر کے اردو کے ذخیرے میں جو خطیر اضافہ کیا ہے اس کا کچھ ذکر آگے آئے گا۔

سرور صاحب محنت، مطالعہ اور مسلسل کام کرنے کے عادی تھے، بچپن ہی سے مطالعے کے شوقین تھے، کم عمری میں اردو کے معیاری رسالے ان کے مطالعہ میں رہتے تھے، ادبی لٹریچر سے زیادہ دلچسپی تھی، اس لئے شروع ہی سے اردو شاعری اور نثر کی کتابوں کو جمع کرنے لگے تھے، بعض مفید اور دلچسپ کی کتابوں کا بار بار مطالعہ کرتے تھے، مطالعہ کا یہ ذوق تا عمر رہا، پروفیسر، صدر شعبہ، ڈین، یونی ورسٹی کے مختلف اعزازی عہدوں پر فائز، انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری اور دو رسالوں کے اڈیٹر ہونے کے بعد ان کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں، مگر ان مشغولیتوں میں بھی وہ مطالعہ

ت نکال لیتے تھے اور لکھنے کا کام جاری رکھتے تھے، بڑھاپے اور علالت کے زمانے میں بھی
ادت نہ چھوٹی، جب بینائی کم ہوگئی اور بیماری کی وجہ سے پڑھنے لکھنے میں زحمت ہوتی
وں سے پڑھوا کر سُنتے اور خود لکھنے کے بجائے املا کراتے تھے۔

ف وعلالت کے زمانے میں ایک دفعہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے کورٹ کے جلسے میں
ت ہوئی تو میں نے عرض کیا" آپ کے ذمہ دارالمصنفین کا ایک قرض چلا آرہا ہے، وہ
گے" فرمایا" مجھے مولانا شبلی کی تنقید نگاری پر اپنی شرط کے مطابق لکھ دینا ہے، یہ قرض
مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب جب ان کے آنے کا پروگرام بنتا تو کوئی مانع پیش
انے کے ان کے خطوط سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مقالہ مکمل کر چکے تھے، میرا ارادہ تھا کہ
لے لوں گا، مگر علی گڑھ گیا تو کبھی تو خیال ہی نہ آیا اور کبھی آیا تو وہ وہاں موجود نہیں تھے،
کے کاغذات میں موجود ہو تو ان کے وارثین سے درخواست ہے کہ اسے یہاں بھیج دیں۔

احب کو علامہ شبلی اور دارالمصنفین سے بڑا تعلق تھا، علامہ شبلی کے ادب وانشار اور
ص طور پر معترف تھے، شاہ معین الدین احمد صاحب اور سید صباح الدین صاحب
تھے، ایک دفعہ وہ اور پروفیسر احتشام حسین مرحوم شبلی کالج کے شعبہ اردو کی دعوت پر
یف لائے تو دارالمصنفین میں قیام کیا۔

طالعہ صرف اردو کتابوں تک محدود نہ تھا، فارسی اور انگریزی ادبیات کا مطالعہ بھی
زی ادب وتنقید کی جو تازہ بہ تازہ کتابیں شائع ہوتی تھیں وہ برابر ان کے مطالعہ
ان کی مدد سے وہ مغربی اور عالمی ادب پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، انہوں نے
مضامین میں بہ کثرت انگریزی کتابوں اور مغربی نقادوں کے حوالے دئے ہیں۔
ب وتنقید کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی کتابیں بھی ان کے مطالعہ میں

رہتی تھیں اور جدید ادب کی طرح کلاسیکی لٹریچر پر بھی ان کی نظر گہری تھی، اس طرح مشرقی ادب و تنقید کی روایتوں اور مغربی ادب وتنقید کی خصوصیات اور ادب وتنقید کے نئے رجحانات سے وہ بہ خوبی واقف تھے۔ وہ ادبی مسائل پر برابر غور وخوض کرتے رہتے تھے اور ان پر اپنے دوستوں اور شاگردوں سے تبادلۂ خیال بھی کرتے تھے، طلبہ کو اکثر اس کی تاکید کرتے تھے کہ وہ صرف اردو کتابوں کے مطالعہ کو کافی نہ سمجھیں بلکہ ادب وتنقید کے نئے رجحانات اور رویے سے واقف ہونے کے لئے انگریزی اور ہندوستان کی دوسری زبانوں کی ادبی وتنقیدی کتابیں پڑھیں، اپنے مطالعہ کو وسیع کریں اور اپنی فکر کو آگے بڑھائیں۔

علم وادب کی روایت کو آگے بڑھانے اور چراغ سے چراغ جلتے رہنے کے لئے ضروری ہے کہ نئی نسلوں میں علم وادب سے شغف پیدا کیا جائے اور جدید ادب کے ساتھ کلاسیکل ادب سے بھی ان کی دلچسپی باقی رکھی جائے، سرور صاحب نئی پود میں یہی روح پھونکنا چاہتے تھے، وہ اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ جہاں طلبہ کو علم وکمال کے حصول کی ترغیب دلاتے تھے، وہاں ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے بھی فکر مند رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے اساتذہ و طلبہ کو سب سے زیادہ ان سے فیض پہنچا اور انہوں نے اکثر ادیبوں اور نقادوں کو متاثر کیا۔

مضمون نگاری بھی کم سنی میں شروع کی تھی اور پھر مسلسل عمر بھر لکھتے رہے، ان کا اصل میدان ادبی تنقید تھا جس میں وہ اپنے ہم عصروں سے علانیہ ممتاز تھے، انہوں نے نظم ونثر دونوں پر جو تنقیدی مضامین لکھے وہ اردو میں بہترین تنقید کا نمونہ ہیں، شاعری میں مختلف اصنافِ سخن کے شعرا نے ان کو اپنی جانب متوجہ کیا، نثری تنقیدی مضامین میں بھی بڑا تنوع ہے، افسانہ، ناول، تنقید، ترقی پسند تحریک، جدیدیت، متعدد اہل فن اور اشخاص پر بے شمار تنقیدی مضامین لکھے، اردو کی کئی اہم کتابوں پر ناقدانہ نظر ڈالی، مکتوب نگاری بھی

کا ایک موضوع تھا، ان کا مضمون "خطوط میں شخصیت" بڑی اہمیت کا حامل
دی اور اقبال کی مکتوب نگاری پر بھی قابلِ قدر مضامین لکھے اور غالب کے اردو
اچھا انتخاب "عکس غالب" کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔

اور غالب کو وہ اردو کا بڑا شاعر مانتے تھے، ان پر خود بھی متعدد مضامین لکھے جو
ن کے متعدد مجموعوں میں شامل ہیں، غالب کے خطوط کا انتخاب اور ان پر مختلف
ضامین کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے شایع ہوا
کا مرتبہ دیوان غالب، مولوی مہیش پرشاد اور مالک رام صاحب کے مرتب کردہ
ر مختار الدین احمد صاحب کے مرتب کردہ مجموعہ مضامین "احوالِ غالب" اور "نقد
ی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کئے۔ "ہماری زبان" اور "اردو ادب" میں ان پر
عدد مضامین شائع کئے اور مختلف موقعوں پر خود بھی ان میں مضامین لکھے۔

متعدد تنقیدی مقالے اس وقت لکھے جب ان کا نام لینا ہندوستان میں جرم
بال انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہو کر سری نگر گئے تو ان پر کئی سمینار کرائے جن میں
کے مضامین کے مجموعے اور اقبالیات کے ماہرین کے مقالات کے دوسرے مجموعے
سے شائع کئے اور ان پر متعدد عالمانہ خطبات دئے۔

اندازہ ہوا ہوگا کہ اردو تنقید میں ان کے کارنامے کمیت و کیفیت دونوں
ہیں اور غالب شناسی اور اقبال فہمی میں ان کا پایہ بلند تھا۔

سے بھی ان کا تعلق رہا، اس کی ابتدا طالب علمی کے زمانے میں ہوئی جب علی گڑھ
ت کی ذمہ داری سنبھالی تھی، انجمن ترقی اردو ہند کے جنرل سکریٹری ہوئے تو
اری زبان" اور سہ ماہی "اردو ادب" کی ادارت ان کے سپرد ہوئی جس کو برسوں

نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، اردو ادب کے کئی اہم خاص نمبر بھی نکالے۔

اردو کی ترقی پسند تحریک کا آغاز سرور صاحب کے عنفوانِ شباب میں ہوا اور جب وہ لکھنؤ یونیورسٹی میں تھے تو اس تحریک کے شباب کا زمانہ تھا، ان کے تمام ترقی پسند ادیبوں سے گہرے روابط تھے۔ اسی لئے ان کا شمار ترقی پسند مصنفین اور ادیبوں کے زمرے میں کیا جاتا ہے بلکہ بعض ترقی پسند ادیبوں نے انہیں مارکسی نظریہ سے متاثر نقاد کہا ہے، لیکن جب یہ تحریک اضمحلال کا شکار ہوئی یا "جدیدیت" کے غلغلہ کے بعد اس کا زور و اثر کم ہوا تو سرور صاحب نے جدیدیت کا خیر مقدم کیا اور اس کے زیر اثر مضامین لکھے، اس موضوع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں سمینار کرایا اور "جدیدیت اور اردو ادب" کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا، جس میں مغرب میں جدیدیت کی روایت اور اس تحریک کے اہم پہلوؤں کا عالمانہ جائزہ لیا ہے اس میں "ادب میں جدیدیت کا مفہوم" کے عنوان سے ان کا بھی ایک مبسوط مقالہ شامل ہے، مگر جدیدیت کی تحسین و وکالت کے باوجود وہ اس ادبی نظریے سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے اور ترقی پسند تحریک کی طرح اس سے بھی کلی مفاہمت نہ کر سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ ترقی پسند تحریک سے بیزار تھے اور نہ انہوں نے جدیدیت سے حذر کیا بلکہ انہیں ادب و تنقید کے مختلف النوع نظریات اور تحریکات سے اپنے کو ہم آہنگ کر لینے کا سلیقہ آتا تھا اور درمیانِ قعرِ دریا تختہ بند ہو کر دامن کو تر ہونے سے بچا لینے کا ہنر معلوم تھا، ان کے مزاج و طبیعت میں اعتدال و توازن تھا، وہ ہر ایک سے مفاہمت کے باوجود کسی کے اندر ضم نہیں ہوتے تھے، بلکہ اپنی الگ پہچان اور علاحدہ شناخت بنائے رکھتے تھے، وہ جن افکار و نظریات سے متاثر ہوتے تھے، ان سے مغلوب اور پسپا نہیں ہوتے تھے، وہ ادبی فوضویت اور انتشار سے بچ کر تلقین کرتے تھے، مگر ادب میں گروہ بندی اور ادیب و نقاد کے مختلف خانوں میں منقسم

ے اور جدید و قدیم میں محصور ہو کر حقائق سے صرف نظر کرلینے کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کا یہ شعر اسی
ت حال کا ترجمان ہے ؎

و سمجھائیں آج تسلسل حیات کا   دیکھو جسے اسیر جدید و کہن میں ہے

ادب و تنقید کے علاوہ دوسرے موضوعات بھی ان کے قلم کی جولان گاہ رہے ہیں، علی گڑھ اور
ستانی مسلمان، مسلمان اور اسلام، اسلامی معاشرہ اور تہذیب پر بھی انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے
صل کمال ان کی تحریر کی دل کشی و دل آویزی ہے، موضوع کی خشکی کے باوجود وہ سلاست،
ی اور روانی کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، ان کی تحریر ایچ پیچ اور تعقید و اغلاق سے پاک ہوتی تھی۔
ع کوئی ہوتا ان کی تحریر اور انداز بیان میں جلال و جمال موجود رہتا تھا۔

نقاد کی حیثیت سے سرور صاحب کو ایسی غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی کہ اس کے سامنے ان کی
حیثیتیں بالکل دب گئیں، حالانکہ وہ بڑے اچھے شاعر تھے، دس گیارہ برس کی عمر ہی سے شعر کہنے
سینٹ جانس کالج آگرہ میں ان کو شاعرانہ ماحول ملا، اس وقت آگرہ شعر و ادب کا مرکز
ں اساتذہ شعراء موجود تھے، اس ماحول نے ان کے شعری ذوق کو جلا بخشی، وہ مشاعروں میں
ونے لگے اور ان کا کلام چھپنے لگا، علی گڑھ میں بھی ان کو شاعرانہ ماحول ملا، یہیں ۱۹۳۵ء میں
ام کا پہلا مجموعہ "سلسبیل" کے نام سے چھپا، بعد میں ان کے دو مجموعے "ذوق جنون" اور خواب
شائع ہوئے۔

سرور صاحب نے غزلیں اور اشخاص و واقعات پر نظمیں کہی ہیں، وہ اپنے کو ذات و کائنات
تے تھے، لیکن وہ شاعری سے بڑے بڑے کاموں کے لئے پیدا ہوئے تھے، چنانچہ جب ان کی مشغولیتیں
تنقیدی مباحث کی جانب ان کو زیادہ توجہ کرنی پڑی تو شاعری کے لئے زیادہ وقت
سکے، مشاعروں میں جانا اور رسالوں میں کلام بھیجنا کم کردیا ورنہ جس زور و شور سے

وہ شاعری کے کوچے میں وارد ہوئے تھے اگر یہ قائم رہ جاتا اور وہ شعر و سخن کو اپنا مشغلہ بنالیتے تو جس طرح ادب و تنقید کو نیا انداز اور نیا لہجہ عطا کر کے اپنی عظمت کا لوہا منوایا ہے، اسی طرح اس میدان میں بھی گوئے سبقت لے جاتے، تاہم ان کی شاعری کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں، ایک غزل کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

شانِ شہی نہ زلفِ شکن در شکن میں ہے   وہ بانکپن جو منصبِ دار و رسن میں ہے
دشت و دمن میں پھول کھلائے تو بات ہے   یہ کیا بہار ہے جو مقیدِ چمن میں ہے
میرا لہو بھی کام کچھ آ ہی گیا ضرور   شوخی بلا کی آج ترے پیراہن میں ہے
ہم انقلاب چاہیں تو بڑھ جائے کچھ جمود   فتنہ گری نئی یہ سپہرِ کہن میں ہے
عرفان و آگہی کے تقاضے بدل گئے   جادو عجیب اس نگہِ سحر فن میں ہے
پگھلے گی اے سرور ہمالہ کی برف بھی
طوفاں تلاشِ گنگ و جمن میں ہے

ان اشعار کے تیور دیکھئے:

یہ لہو جس میں ترب و تابِ نفس ہے میرے   دیکھ ایوانِ حکومت میں چراغاں نہ بنے
لوگ ہر شمع کو فانوس بنا دیتے ہیں   شعلہ اپنا بھی چراغِ تہہ داماں نہ بنے
رگ بہ ہر سنگ میں جو لعل و گہر بنتا تھا   وہ شرارہ بھی کہیں شمعِ شبستاں نہ بنے
موج خو کرتی تھی ہر گام پہ طوفانِ تخلیق   کسی گلزار کی اک جوئے خراماں نہ بنے

چند اور شعروں کی معنویت اور شاعر کے احساس و تخیل کی بلندی پر غور کیجئے!

ہند کے جلوۂ صد رنگ کا ہے پاس ضرور   اس میں سوزِ عرب و حسنِ عجم یاد رہے
کارواں منزلِ نو کے لئے ہو سرگرمِ سفر   اپنی تہذیب کا بھی نقشِ قدم یاد رہے

علم و ادب میں نئی کلیوں کے حضور   میر و غالب کے شگوفوں کا بھرم یاد رہے

ڑھ سرور صاحب کا خاص مرکزِ عقیدت تھا، اس سے ان کا رشتہ صرف ملازمت کا نہیں
سے ان کو ذہنی و جذباتی لگاؤ تھا، وہ اس سے وابستہ افراد سے یہ چاہتے تھے کہ اس کے مفاد
ربان کر دیں، اسے صرف جاہ و منزلت کا ذریعہ نہ بنائیں، اس سے صرف لینے کی فکر میں نہ رہیں
کے لئے بھی آمادہ ہوں، جو لوگ یونی ورسٹی کے ذمہ دارانہ مناصب پر فائز ہوں وہ اس کے
ں، اس کی روایات و خصوصیات سے واقف، تعلیم کے ماہر اور تعلیمی مسائل کو سمجھنے والے ہوں۔
ں چانسلر محمد حامد انصاری کے بقول "سرور صاحب ان ہستیوں میں سے تھے جن کی وجہ سے
نی ورسٹی کو پہچانا جاتا تھا"۔ علی گڑھ کے نام ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کرنوں سے تری اپنے سیہ خانے میں   چاند کا نور ستاروں کی چمک باقی ہے
روں سے تری بادِ خزاں کے باوصف   اپنے ویرانے میں پھولوں کی مہک باقی ہے
بھی ترے پُرسوز تخیل کے سوا   اب بھی برفاب میں شعلوں کی لپک باقی ہے

رسید کو عظیم و جلیل شخص سمجھتے تھے اور اس سے متفق نہیں تھے کہ سرسید کو مغرب کی ہر چیز اچھی
بد تر دکھائی دیتی تھی، انہیں اپنا مذہب عزیز تھا، اس پر حملہ ہوتا تو تڑپ اٹھتے، وہ اس سے
ہ سرسید انگریزوں کے آلۂ کار تھے، ان کا کام مسلمانوں کو غلامی پر راضی کرنا تھا بلکہ وہ وقت کی
تے تھے اور دیکھتے تھے کہ مغرب ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتا تھا، وہ اس سے واقف
ائنس کی مدد سے علمی سرمایے میں اضافہ کیا ہے وہ مغرب کے تہذیبی کارناموں سے
رنے کے بجائے ان سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

رصاحب شریف، وضع دار اور خلیق انسان تھے، ان کی طبیعت میں دردمندی، ضبط
و بردباری کے ساتھ شگفتگی اور زندہ دلی تھی، جلدی طیش و اشتعال میں نہ آتے، ان کو

کسی سے عداوت اور نفرت نہ تھی، اپنے مخالفین کی باتیں سُن کر پی جاتے اور غصہ نہ ہوتے، شاہ معین الدین صاحب کہتے تھے کہ انجمن ترقی اردو کے جلسوں میں بعض لوگ بڑے سخت اور ناگوار لب و لہجہ میں بےجا اعتراضات کرتے تھے مگر غصہ تو درکنار ان کی پیشانی پر شکن بھی نہیں آتی تھی اور جب موقع آتا تو نرم و شیریں انداز سے سارے اعتراضات کا ایسا جواب دیتے کہ سب لوگ ٹھنڈے ہو جاتے۔

چھوٹوں سے بڑی شفقت کا برتاؤ کرتے، کبھی ان کی دل شکنی نہ کرتے، اپنے شاگردوں کی ہمیشہ دل جوئی اور حوصلہ افزائی کرتے، ان کی تحریروں کی تحسین کر کے ان کی ہمت بڑھاتے مگر بڑے اصول پسند اور قاعدے ضابطے کے پابند تھے، وظائف اور داخلوں کے معاملے میں کوئی رورعایت نہیں کرتے تھے، کسی طالب علم کا نمبر بڑھانے یا کسی شخص کے تقرر کے معاملے میں وہ کسی کی سعی و سفارش قبول نہیں کرتے تھے۔ صرف اہلیت و صلاحیت ہی کو معیار بناتے تھے، بعض لوگ امیدوار یا داخلے کے خواہش مند کی غربت یا مذہب و قومیت کا حوالہ دے کر اس کے لئے ہمدردی کے طالب ہوتے تھے، مگر وہ بلا تامل معذرت کر دیتے تھے۔

اوقات و معمولات کے پابند تھے، کثرتِ کار اور مشاغل کی زیادتی کی بنا پر ان کو بزم و انجمن آرائی کے لئے وقت نہ ملتا تھا، رات اور صبح کا وقت مطالعہ و تصنیف کے لئے وقف تھا، اس میں اگر کوئی آجاتا اور خلل انداز ہوتا تو بڑی ناگواری ہوتی تھی۔

سرور صاحب کی گوناگوں علمی، ادبی اور تنقیدی خدمات کی بڑی پذیرائی ہوئی، مختلف ریاستوں کی اردو اکیڈمیوں نے انہیں اپنے سب سے بڑے اعزاز سے نوازا، ساہتیہ اکاڈمی اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے اعزاز بھی ان کو ملے۔ حکومتِ ہند نے پدم بھوشن اور صدر پاکستان نے طلائی تمغہ دے کر ان کی عزت افزائی کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں عالمِ آخرت کے بلند مدارج عطا کرے۔ آمین!!

جدیدہ

الوداع وجزء عمرات النبیؐ (عربی) از مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

تعلیق ڈاکٹر ولی الدین تقی الدین ندوی، قدرے بڑی تقطیع، بہترین کاغذ،

مجلد، صفحات ۴۱۲، قیمت درج نہیں، پتہ : وزارۃ العدل والشئون الاسلامیہ

ابوظبی، یو، اے، ای۔

طیبہ میں حجۃ الوداع کی دینی، تبلیغی اور تاریخی اہمیت کے پیش نظر ارباب سیر

اعتنا کیا، ابن حزم، طبری، ابن قیم، ابن کثیر اور قسطلانی و زرقانی جیسے ائمہ

طور پر اپنی کتابوں میں مستقلاً اس کا ذکر کیا، لیکن اس کے باوجود اس

کا احساس رہا، محدث شہیر مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی نگاہ تحقیق

تو انہوں نے حافظ ابن قیم کی بحث کو بنیاد بنا کر ان کے متن کی شرح

س میں حج کے متعلق تمام مضامین مختلف مسالک، محدثین و فقہا خصوصاً

کے اقوال، تاریخی مباحث اور ائمہ متقدمین کی کتابوں کے مفصل جائزے

جدید تحقیقات بھی پیش کر دئے گئے اور نبی کریمؐ کے جملہ حج، حج کی

حجۃ الوداع میں صحابہ کرامؓ کی معیت و شرکت سے مدینہ منورہ واپسی

استقصار اس طرح کیا گیا کہ جامعیت و انفرادیت میں یہ کتاب اپنے

یکلوپیڈیا قرار دی گئی، حضرت شیخ کی تحقیقی بصیرت نے ابن قیم کے بعض

ح بھی کی، مثلاً ہدی تطوع اور رمل فی السعی وغیرہ، خوبی مستزاد یہ بھی

کہ حجۃ الوداع کے علاوہ عمرہ حدیبیہ، عمرہ قضا، عمرہ جعرانہ وغیرہ نبی کریمؐ کے عمرات کے متعلق بھی ایک مفصل اور جدا بحث کتاب میں شامل کر دی گئی جس کی تکمیل کا اشارہ بلکہ بشارت ان کو حالت منام میں حاصل ہوئی، آخر میں ایک مختصر باب شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمن اعظمی کا مرتب کردہ خطبات النبیؐ پر ہے جس سے قدر و افادیت بیش از بیش ہوگئی، کتاب ہند و بیرون ہند سے کئی بار طبع ہوئی، تاہم عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تخریج و تعلیق اور شایان شان طباعت کی ضرورت تھی، یہ سعادت بھی ہندوستان کے ایک سعید و صالح نوجوان ندوی عالم کے نصیب میں آئی جنھوں نے مطبوعہ نسخوں کے مطبعی اغلاط کی تصحیح، مشکل اور غریب الفاظ و عبارات کی توضیح کے علاوہ احادیث و آثار کی تخریج اور ان کے فنی مقام کی تعیین بڑی محنت اور سلیقے سے کی، مضامین کے عنوان بھی قائم کئے جس سے استفادہ اور آسان ہوگیا، لائق محقق کی اس محنت کی داد امارات العربیہ کے وزیر عدل محمد نخیرہ الظاہری نے بھی دی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمہما اللہ کے کلمات تقدیم سے بھی یہ کتاب آراستہ ہے۔

وصی میڈیکل ڈکشنری (انگلش-اردو) از جناب مولانا حکیم عزیز الرحمن اعظمی، بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۵۴۸، قیمت درج نہیں، پتہ : مکتبہ فردوس، مکارم نگر (برولیا)، ٹیگور مارگ، لکھنؤ۔

علم و فن طب کے ہر شعبے سے متعلق انگریزی اصطلاحات کو جمع کرنا بجائے خود بڑا کام ہے اور اردو میں ان کا ترجمہ تو یقیناً ایک کارنامہ ہے جس کی توقع ماہرین فن

ہی کی جا سکتی ہے، لیکن حیرت ہے کہ یہ عظیم الشان کارنامہ اس
تب و مترجم نے تن تنہا انجام دیا۔ قریب اکتالیس ہزار الفاظ
ت پر مشتمل یہ لغت ان کی غیر معمولی محنت اور ترجمہ کی لیاقت
ں سے پہلے عربی اور انگریزی کی متعدد کتابوں کو وہ اردو قالب
جن میں بعض طبی موضوعات پر ہیں اب اس ترجمہ کی فنی خوبیوں
ن نے کیا ہے، اکثر اصطلاحات پر عربی و فارسی زبان کا گہرا اثر
کلہ ہجری، ضعف قلب انحرافی، خراج قرنی، مصاص سبی،
لہ غدہ لمتعادی، سلع غدی غضروفی جیسی اصطلاحات سے
جودہ اردو داں طبقہ کی عربی و فارسی صلاحیت بھی اعلیٰ درجہ
طلاحات کی زبان جدا ہوتی ہے لیکن یہ قریب الفہم ہوئیں
تی ہے، اس کے لئے ماہر مترجمین و واضعین اصطلاحات کی
ضروری اور موثر ہو ABSOLUTE ALCHOHAL
فی سے کیا گیا ہے، خالص الکوحل شاید زیادہ زود اثر ہوتا۔
ساب اپنے نادیدہ ممدوح جناب سید حامد سے کیا ہے، حکیم
سابق پرنسپل طبیہ کالج لکھنؤ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی
کے علاوہ پروفیسر حکیم ظل الرحمن کے قلم سے عالمانہ پیش لفظ
لشان طبی و علمی خدمت کے متعلق یہ خیال بالکل درست ہے
ے دوام حاصل کرے گا اور دنیائے علم و فن کا ایک

ع۔ ص۔

دارالمصنفین کا سلسلہ تاریخ ہند

کتاب	مصنف	Pages	Rs
۱۔ مقدمہ رقعات عالمگیر۔	سید نجیب اشرف ندوی	492	80/-
۲۔ بزم تیموریہ اول ۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	605	150/-
۳۔ بزم تیموریہ دوم ۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	266	50/-
۴۔ بزم تیموریہ سوم۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	276	56/-
۵۔ بزم صوفیہ ۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	746	140/-
۶۔ ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	524	80/-
۷۔ مختصر تاریخ ہند۔	سید ابوظفر ندوی	194	50/-
۸۔ ہندوستان کی کہانی ۔	عبدالسلام قدوائی ندوی	70	20/-
۹۔ تاریخ سندھ۔	سید ابوظفر ندوی	420	56/-
۱۰۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں (اول)	ضیاء الدین اصلاحی	410	75/-
۱۱۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں (دوم)(جدید ایڈیشن)	ضیاء الدین اصلاحی	358	125/-
۱۲۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	648	80/-
۱۳۔ بزم مملوکیہ۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	370	70/-
۱۴۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے۔	ادارہ	354	50/-
۱۵۔ ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	238	75/-
۱۶۔ کشمیر سلاطین کے عہد میں ۔	ترجمہ علی حماد عباسی	468	56/-
۱۷۔ ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	134	30/-
۱۸۔ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں (اول)۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	252	50/-
۱۹۔ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں (دوم)۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	180	30/-
۲۰۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔	ابوالحسنات ندوی	132	25/-
۲۱۔ عرب و ہند کے تعلقات۔	سید سلیمان ندوی	442	95/-
۲۲۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری (اول)	سید صباح الدین عبدالرحمن	162	30/-
۲۳۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری (دوم)	سید صباح الدین عبدالرحمن	206	38/-
۲۴۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری (سوم)	سید صباح الدین عبدالرحمن	336	56/-
۲۵۔ عہد مغلیہ میں ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات۔	سید صباح الدین عبدالرحمن	172	40/-
۲۶۔ اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۔	علامہ شبلی نعمانی	146	85/-